جملہ حقوق محفوظ

یعنی محقق ہند مجدد عصر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی
کی زندگی کے معتمد سبق آموز حالات اور آپ کے تعلیمی و اصلاحی کارنامے

مؤلفہ

مولانا ابو العلاء محمد اسمٰعیل صاحب گودھروی

جسے

حق تالیف حاصل کرنے اور مقدمہ کے اضافہ کے بعد

ابو عبد اللہ محمد بن یوسف السورتی نے

مطبع جامعہ پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان دہلی سے شائع کیا

بار اول ۱۰۰۰

قیمت فی جلد ۱/

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون
۱	مقدمہ، کتاب پڑھنے کا فائدہ
۲	اسلام کی موجودہ دردناک حالت
۵	آج کل کے علماء،
۶	اسلامی مدارس و اسکول در تاریخ اسلام
۷	دین کے مصلحین
۸	مسلمانوں کی فوری ضرورت
۹	اسلامی تاریخ کا آخری دور تنزل
۱۲	شاہصاحب کی اسکیم
۱۴	قرآن مجید کی اشاعت
//	حدیث شریف کی خدمت
۱۷	شاہ صاحب اور مسئلہ تقلید
۱۸	شاہصاحب اور تصوف
۱۹	شاہصاحب کا نصاب تعلیم
۲۱	شاہ صاحب کے شاگرد
۲۲	شاہصاحب کے دو مدرسے
۲۳	جماعت اہلحدیث کی موجودہ حالت
۲۵	نام نہاد اہلحدیث کانفرنس کی حالت
۲۶	شاہصاحب کو کیا کامیابی ہوئی
۲۷	ناشر کے خیالات اور شاہصاحب کی سوانح حیات

صفحہ	مضمون
۲۹	**خطبۂ کتاب**
۳۰	شاہصاحب کے آباؤ اجداد
۳۴	شیخ وجیہ الدین،
۳۵	شاہ عبدالرحیم صاحب
۳۶	شاہ صاحب کی تاریخ ولادت
۳۷	تعلیم
۳۸	عقد نکاح
۳۹	استغراق علمی، بیعت
۴۰	درس و تدریس
۴۲	ترجمہ قرآن
۴۳	فتنہ علماء سوء، سفر حج
۴۴	فیوض حرمین، وفات،
۴۶	مقام و منصب
۴۷	شاہ صاحب کا مسلک
۴۸	انشاء پردازی
۴۹	تقریر و بیان، تصانیف
۵۳	اولاد
//	شاہ عبدالعزیز صاحب
۵۸	شاہ رفیع الدین صاحب
۵۹	شاہ عبدالقادر صاحب
۶۰	شاہ عبدالغنی صاحب

صفحہ	مضمون
//	شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید
۶۴	**وصیت نامہ**
//	پہلی وصیت کتاب و سنت سے تمسک کرنا
۶۵	دوم امر بالمعروف و نہی عن المنکر
//	سوم عام بیعت سے مخالفت
۶۸	چہارم تصوف کی اصلاح میں شاہ صاحب کا خاص نقطۂ خیال
۷۰	پنجم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام
۷۱	شیعہ مذہب کا بطلان
۷۲	ششم نصاب تعلیم
۷۳	ہفتم رسومات کی مذمت
۷۳	شادی بیوگان
۷۴	مہر کی گرانی اور شادی کی فضول خرچیاں
//	شادی کی دوسری بیجا رسمیں
//	غم و ماتم کی فضول رسمیں،
۷۵	ہشتم حضرت عیسےٰ کو سلام پہونچانا،
۷۶	مولف کتاب کی شاہصاحب سے نسبت

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد۔ آج کل عام دستور ہوگیا ہے کہ ہر کتاب کے ساتھ مقدمہ ضرور لکھا جائے، اور ایسا مقدمہ ہو جو اصل کتاب سے حجم میں کسی طرح کم نہ ہو۔ یہ ایک فن کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے جس میں بعض حضرات خاصی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔

میرے مکرم دوست مولوی ابوالعلا محمد اسمٰعیل صاحب گودھروی نے شاہ ولی اللہ صاحب کے مختصر حالات لکھ کر مجھے شوق دلایا کہ میں بھی مقدمہ بازی میں شرکت کروں، اور چونکہ اصل کتاب مختصر ہے۔ اس لئے اس کی ضرورت بھی تھی۔ چنانچہ یہ بے ربط فقرے اس ذیل میں لکھے جاتے ہیں جن سے اصلی غرض شاہ صاحب کے سوانح و سیرت کے پڑھنے والے کیلئے راستہ صاف کرنا، اور ان کو اس حقیقی شکل میں ظاہر کرنا ہے جس میں وہ تھے، پھر ان کی اصلاحی اسکیم کے لئے تیار کرنا، اس کی نشر و اشاعت کے لئے مستعد بنانا، اور اس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ہر ممکن سعی کرنا ہے۔

اگر کسی کتاب کے پڑھنے، کسی تقریر کے سننے، درس کے حاصل کرنے سے صرف یہی غرض و غایت ہو۔ کہ کتاب کی فصاحت و بلاغت، مقرر کی خوش بیانی، مدرس کا قابل قدر طریقہ درس دیکھا جائے، اور اس کی اصلاحی کیفیت علمی شان فضل و کمال کے اپنے درمیان حصول کا مستقل خیال نہ ہو۔ تو ساری محنت عبث، اور وقت ضائع و برباد ہوگا، ایسا شخص عقلمندوں کی صف سے خارج اور متکلفین میں داخل ہوگا۔ کتاب ہو یا تقریر، وعظ ہو یا درس و تدریس اس سے حقیقی فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں، جو اس سے مستفید ہونا چاہیں، اس کے عمدہ اصول

کے پابند اور برائیوں سے اجتناب کریں، خود کلام مجید نے بھی اسی اصول کو بایں الفاظ ادا فرمایا ہے
فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ط أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ (۳۹ ۔ ۱۸) سو میرے ان نیک بندوں کو خوشخبری دے۔ جو بات کو سن کر جو بہتر ہو اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت کی اور یہی عقل والے ہیں)

زمانہ بدل رہا ہے۔ دین، مذہب، علم دین، اور علماء تمام پرانی چیزیں ہو گئیں، ان کا ذوق ان سے تعلق و ربط روزانہ کم ہوتا جاتا ہے۔ اگر چند افراد اس سے تعلق رکھتے بھی ہیں، تو محض رسمی یا نہایت بعید تعلق ہے۔ اس کے سچے حامی اور مخلص دوست ایسے نظر نہیں آتے۔ جو اس کی اعانت واشاعت اعلاء و رفع شان کے لئے جان و مال تن دھن سب خرچ کر ڈالیں۔ سب کو قربان کر کے آخرت کا عیش و آرام مول لیں، اسی کیفیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ادا فرمایا ہے۔ "بَدَأَ الدِّينُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ غَرِيبًا فَطُوبَىٰ لِلْغُرَبَاءِ" (دین کی ابتداء غربت میں ہوئی، اور پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ دین غریب و بے وطن ہو جائیگا۔ سو غرباء کو خوشخبری ہو) دریافت کیا گیا کہ غرباء کون ہیں؟ فرمایا مختلف قبائل کے لوگ جو میرے مٹے ہوئے راستہ اور میری مُردہ سنت کو از سرِ نو زندہ کریں گے

آج اسلام کی غربت اس درجہ پہنچ چکی ہے کہ خود بہت سے مسلمان اس عزیز و پیارے لقب "اسلام" کو باعث ننگ و عار سمجھنے لگے۔ اسلام کی بات فرائض اسلامی اور امور دین قابل نقد و اعتراض اور باعث خجل و استحیاء شمار ہونے لگے۔ علی الاعلان یہ مقولہ زبان زد خواص و عوام ہو گیا۔ جو در اصل کفار و فجار کا مقولہ ہے کہ "دین ہماری ترقی میں حائل ہے۔ اور جب مقصود اصلی میں کوئی دین بھی حائل ہو، وہ ناقابل اعتبار ہے" میں نے خود بعض ایسے عربی خواں طلبہ سے سنا جن کو آزادی سے برائے نام نسبت تھی، یہ بھی ان انگریزی خواں طبقہ کی تقلید میں ایسے مہمل اور بے معنی جملے۔ بولدیا کرتے تھے۔ بالآخر میں نے نہایت بسط و شرح سے سمجھایا کہ بھائی دین و مذہب نے تمہیں کب اس پستی میں ڈالا؟ یہی دین دنیا کے بڑے سے بڑے فاتح پیدا کرنیوالا۔ بیابانیوں کو حکمراں بنانے والا، دشمنوں کو دوست، اور جاہلوں میں علم کو رواج دینے والا تھا۔ اب اگر تم نے خود اسے چھوڑ کر بدعات و رسوم، تقلید و جمود کو مذہب قرار دے لیا، پھر ہر قسم کے

جبن وضعف، نفاق وحسد شقاق وعناد کو اپنا دستور العمل بنالیا، تو اس کا لازمی نتیجہ جو ہونا تھا، وہ ہوا، اور ہوگا۔ اس میں مذہب کو کیا دخل؟ مذہب اس کے سراسر خلاف اور اس کا قطعی دشمن ہے۔ مگر تم نے جسے مذہب سمجھا وہ بجائے مذہب مدعیان مذہب اور مقتدایان دین ہیں لیکن مذہب اور اہل مذہب کو ایک سمجھنا محض کورانہ تقلید ہے۔ جس کو اہل عقل و دانش بارہا آگاہ کر چکے ہیں۔ اور صاف صاف بتا چکے ہیں کہ یہ نہایت غلط اور لغو قیاس ہے۔ یہ کسی طرح قابل اعتماد نہیں، اس کے خلاف جو آزادی و تہذیب کا دور کہلاتا ہے، جو اس کے حامل و معلم ہیں ان کی حالت دنیا میں روز روشن کی طرح ظاہر ہو چکی ہے۔ یہ کامل آزادی و حریت، تہذیب و انسانیت کے مدعی صرف اپنی ہوی و ہوس کے بندے ہیں، نہ ان کے پاس اخلاق و انسانیت ہے، نہ صداقت و آداب، نہ عہد و وعد۔ نہ رحم و لطف، بلکہ طمع و خوف، حرص و شرہ، کید و مکر، تعصب، و تعسف ظلم و ستم، ان کا اصل اصول اور یہی ان کا راس المال ہے۔ دنیا کی قدیم مثل "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" آج بھی علاً دنیا میں رائج و شائع ہے۔ دوسروں کو مرعوب کرنے کے لئے تہذیب حریت، تمدن کے نام لئے جاتے ہیں۔ ہر شخص آزاد بنایا جاتا ہے اور یہ اعلان ہوتا ہے کہ کسی کی ضمیر کا خون نہ کیا جائے، مگر حقیقت حال پر جب غور کیا جائے تو اس کا عکس صاف نظر آئے گا، اسی طرح دنیا کی تاریخ شاہد صدق ہے کہ ملاحدہ و جاہلہ، کفار و اشرار کا جب کسی جگہ تسلط ہوا تو انہوں نے ہر قسم کے ظلم و جبر سے کام لیا، خدا کے بندوں کو بجبر و اکراہ کفر و الحاد پر قائم کرنے کی تمام کوششیں پوری کیں، ہزاروں بندگان خدا معمولی سے معمولی باتوں پر قتل و صلب، قید و اسر، احراق و تعذیب کی بلاؤں میں گرفتار ہوئے، جلاوطن کئے گئے، سخت سے سخت اذیتیں پہونچائی گئیں، مگر یہ ایسے کمزور و بزدل ضعیف و سفیہ نہ تھے، کہ ان کی تخویف و تہدید، عذاب و سزا سے مرعوب ہو کر حق کو چھوڑ دیتے، انہوں نے ہر قسم کی ایذا قبول کی، مصائب کا مقابلہ صبر و استقلال سے کیا، جان و مال راہ حق پر قربان کئے، اور اللہ وحدہ لاشریک کی جو محبت و عزت ان کے دلوں میں تھی، ہر مصیبت و ابتلاء کے بعد اور بڑھتی گئی۔ ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ کی روح پرور خوشخبری صادق ہو کر رہی، یہ ترقی کرتے گئے، ان کا ایمان بڑھتا رہا، ان کی عزت آسمان پر پہونچ گئی۔ انہوں نے ابدی حیات حاصل کی، ان کے اعداء ذلیل و خوار ہوئے "فھل تری لھم من باقیۃ"

عاد و ثمود، فرعون و نمرود، قوم نوح و قوم لوط تو امم قدیمہ کے تذکرے اور قصص و حکایات سمجھے جاتے ہیں، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار عرب کا واقعہ تازہ اور مستفیض و متواتر ہے، پھر آپ کے صبر و استقلال کا کیا نتیجہ نکلا، یہی جو دنیا کے سامنے ہے، سچ ہے۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لکم۔ اگر ملاحدہ و اشرار کیطرح اہل حق و عدل بھی جبر و اکراہ، ظلم و ستم سے کام لیتے نہیں بلکہ اس کا عشر عشیر ہی استعمال کرتے، جو کفار و فساق کرتے ہیں تو یقینا دنیا سے تخم کفر و فسق اٹھ جاتا، اور باطل اپنی پوری طاقت کے ساتھ مٹ جاتا، مگر سنۃ الٰہی، حکم ربانی کے خلاف وہ ایسا کیونکر کر سکتے تھے، وہ محکوم و منقاد تھے، خود سر و آزاد نہ تھے، وہ اعلیٰ قانون کے پابند تھے، یہ کوئی قانون نہیں رکھتے، اور جب چاہتے ہیں اپنی مرضی کے مطابق قانون گھڑ لیتے ہیں۔ دنیائے جدید میں قدیم سلطنتوں کے ظلم و استبداد کا نوحہ کیا جاتا ہے، اور اس کے مظالم کی داستان سنا کر نفرت پیدا کی جاتی ہے۔ مگر درحقیقت اگر انصاف و عدل سے کام لیا جائے۔ تو معلوم ہو جائیگا کہ قدیم زمانہ میں اگر شخصی مظالم ہوا کرتے تھے، تو اب جماعت و جمہور کیطرف سے مظالم ہوا کرتے ہیں۔ پہلے اگر بیقاعدہ ظلم کا سلسلہ تھا تو اب باقاعدہ ظلم کا سلسلہ روز افزوں ہے۔ اگر پہلے رعیت سے دریافت نہیں کیا جاتا تھا، تو اب رعیت کے چند افراد کو اپنے ساتھ ملا کر ان کے ذریعہ سے قانون بنایا جاتا، اور ظلم کیا جاتا ہے۔

آج اسلام و اہل اسلام پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، جو جور و ستم نقض و فتور آج اسلام پر وارد ہے۔ اس کی مثال کہیں کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی، آہ آج اسلام کی یہ حالت ہے کہ ایک جاہل بے دین اٹھتا ہے، اور مسلمانوں کا لیڈر بنجاتا ہے، ہر ایک ملحد و دجال اٹھکر اسلام و اہل اسلام کے متعلق جو چاہتا ہے بغیر سوچے سمجھے بلا خوف تردید بکتا رہتا ہے۔ نہ خدا کا اقرار نہ رسول کا، نہ قیامت کا، نہ جزا و سزا کا، نہ نماز سے سروکار نہ دین کی کسی بات سے، پھر بھی اچھا خاصہ مسلمان بلکہ بقول خود علامہ دہر، و فاضل عصر بنجاتا ہے۔ لوگ اس سے مسائل دریافت کرتے ہیں، وہ بمطابق "فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا" خود گمراہ ہو کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے، ایسے پر آشوب زمانہ میں جس قدر انسان کے پاس حق ہو اسے شائع کرنا اہم ترین فرض ہے، اس باطل و دجل کے جال کو تباہ و برباد کرنا، اس مکر و تلبیس کے نسج عنکبوت کو فنا کرنا حق کو ثابت و استوار کرنا

اعلیٰ ترین جہاد ہے، افسوس! صد افسوس اہل علم وفضل کی کوئی جماعت ایسی نہیں تیار ہوئی کہ وہ صحیح علم ودین کو لوگوں کے روبرو پیش کرے، اور باطل والحاد، خبث وفتنہ کی آگ کو بجھائے اساطین ضلال، ائمہ کفر وفسق کے جہل ومکر خبث وفساد کو آشکارا کرکے لوگوں کو اس تفصیل سے بچائے۔

آج علماء نے عموماً اپنا کام دنیاداری، زر کا حصول اور ذلت وعبودیت کی زندگی گذارنا بنا رکھا ہے اس میں انہیں حق وباطل صحیح وغلط کا مطلق احساس نہیں، نہ صدق وکذب میں تمیز کرتے ہیں، نہ مرضاۃ وغضب الٰہی کا لحاظ، بہت حرکت کی تو یہ کہ کفار وجہال کے ساتھ ہو گئے، ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے ہر غلط وصواب ہر باطل وافک پر صاد کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس سے کس قدر فتنے قائم ہوئے۔ اسلام کو کیا کیا نقصانات ہوئے اور ہوں گے؟ اسے اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔ دنیا آزاد بنی جاتی ہے کیسی آزادی؟ محض اپنی ہوی ورسوم خیالات وآراء کی پرستش اپنے مستقل معبود (مادہ ومادہ پرست اقوام) کی عزت وعظمت میں تمام بھلائیوں سے انکار کر دیا، ترکوں نے جو حریت کے نام سے مظالم وسیہ کاری کی ہے ہیٹ، اور رومن زبان ودیگر خرافات کے اجراء میں جو تشدد وجبر استعمال کیا ہے یہی دراصل حریت وآزادی رائے وضمیر ہے، صرف ایک قسم کے اہل خیال جو کریں، وہ حریت وآزادی ہے۔ مخالف خیال رکھنے والے ذلیل وخوار اور ہر طرح سے پامال کئے جاتے ہیں اگر دنیا میں حقائق وانصاف کا یہی مرتبہ باقی رہ گیا، اگر عدل وحریت، تہذیب وتمدن کے یہی مظاہر ہیں، تو یقیناً حق وحقانیت کا جنازہ اٹھ گیا، اور اگر حق والے اسے از سر نو زندہ نہ کر سکے، اس کی حمایت میں مستعدی سے نہ اٹھے، تو بس قیامت آگئی

مسلمانوں کو اپنی تاریخ کا بغور مطالعہ کرنا، اور اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرکے راہ عمل اختیار کرنی ایک اہم ترین فریضہ ہے ہمیں اپنی تاریخ کے لئے کسی طول طویل دفتر کے تلاش کی مطلق ضرورت نہیں، ہمارے پاس "قرآن مجید" موجود ہے جس نے ہمارے سامنے اقوام عالم کے عروج ونزول قیام وزوال کا پورا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ اور ہر ایک معاملہ کے علل واسباب نتائج وفوائد اس طرح بنا دیئے ہیں کہ ذی فہم اس سے بخوبی مستفید ہو سکتا ہے، اس میں بصیرت

والوں کے لئے بصائر اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نفع وارشاد کے وہ انمول جواہر واصول ہیں کہ کسی دوسری جگہ ہرگز دستیاب نہیں ہو سکتے۔ لہذا انہیں اور جگہ تلاش کرنا عبث اور لغو ہوگا، امم سالقہ کی ترقی و تنزل کے وہ قواعد وضوابط علل واسباب بتائے گئے ہیں، جو سنن الٰہیہ کے نام سے موسوم اور سُنَّةَ اللهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ، وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلًا کے اٹل حکم سے مختوم ہیں۔

افسوس آج مسلمان مدرسوں اور کالجوں میں قدیم یا جدید تعلیم گاہوں میں اپنی تاریخ یعنی اسلام کی تاریخ نہیں پڑھتے، نہ اپنی لکھی ہوئی، نہ تحقیق و تفتیش سے کچھ سروکار ہے، اپنے اکابر و عظام بزرگان کرام سے یہ ناآشنا، ان کے حالات سے بے خبر ہیں، یہ معاملہ اسی حد تک ختم ہوجائے تو بھی گونہ صبر ہو سکتا ہے، یہاں برعکس پورے زور وشور سے پروپگنڈا ہوتا اور ہمارے اسلاف مطعون و بدنام کئے جاتے ہیں۔ ہمارا مذہب بدنام اور ہمارا ماضی نہایت تاریک و بدمنظر کہا جاتا ہے، ہم اسے بلاپس و پیش، بغیر چون و چرا تسلیم کرتے، اور اپنی تعلیمگاہوں میں اسے شائع کرتے ہیں، ہماری آیندہ نسل اسی آب وہوا میں پرورش پاکر اپنے اسلاف سے تبرا بازی کرتی ہے، ہمیں اغیار کے ہر قول وفعل پسند کرانے کے ہزاروں راستے دکھائے جاتے ہیں، اور ہمارے کارنامے نہایت مظلم و تاریک بناکر ان سے ہر قسم کی کراہت پیدا کیجاتی ہے اسلام و اہل اسلام کی تاریخ تعصب و استبداد کا دور کہکر فنا کی جاتی ہے، اور کفر و فسق کے ادوار حریت و تمدن کے دور بناکر مرغوب و محبوب بنائے جاتے ہیں، دنیا میں اس سے بڑھکر تلبیس اور اس سے بدتر جمود و تقلید کی مثال ملنی محال ہے، یہ محض افک وزور اور خدع و مکر سے زیادہ وقعت کے قابل نہیں، یقیناً ہماری تاریخ ہے۔ اور وہ اس قدر مظلم و گمنام نہیں، جتنا ہمارے اعدا ر بتاتے یا عام طور پر شائع کرتے ہیں۔ تعصب سے جو ہمیں بدنام کر رہے ہیں، وہ خود متعصب ہیں، اور وحشت سے خوفزدہ کرنے والے بدترین وحشی ہیں، دنیا اسے اچھی طرح سمجھ چکی ہے، کہ کس طرح یورپ نے بھیڑ کی کھال پہن کر بھیڑیوں کا کام کیا، اور تعصب سے ڈراکر خود تعصب و استبداد کا بدترین نمونہ قائم کیا، ہمارے احساسات ہنوز باقی ہیں، ہم زندہ ہیں اور ہمیں یقیناً زندہ رہنا ہے، ہم نے ذلت کی زندگی پر موت کو ہمیشہ ترجیح دی، ہم نے دنیا میں عظیم الشان کام کئے

ہیں، اور ہمارے واسطے میدان عمل موجود ہے گو ہمارے قومی مضمحل اور جماعت منتشر ہوگئی ہے، مگر ہمیں یاس وقنوط سے کوئی واسطہ نہیں، دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ اونچ نیچ خشکی وتری کا سلسلہ رہا اور رہے گا، ہمیں قنوط ویاس کفر وکفار کا عمل بتا کر بتادیا گیا ہے کہ کبھی ایسا وہم وگمان نہ کرنا اِنَّهٗ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ، گو آج ہم فضول تکلف وتشبہ غلط تقلید وجمود بے معنی تعصب و سفاہت کی وجہ سے ایسے پست ہو چکے ہیں کہ جس کا جی چاہتا ہے ہمیں بدنام کرتا ، اور ہماری تاریخ کو ذلیل بتاتا ہے۔ مگر تاریخ اجانب واغیار نہیں بناتے ہم خود بناتے ہیں، اور تاریخ کے بنانے میں سیف کا قلم اور قلب کا خون درکار ہے، دنیا شور مچا رہی ہے۔ کہ اسلام فنا ہو چکا مسلمان قعر ہلاکت میں گر چکے، اَنّٰى يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا، مگر ہم کسی طرح کا استحالہ نہیں پاتے، ہمارے کانوں اور دلوں میں یہ الفاظ گونج رہے ہیں اِعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا تم یقین رکھو کہ جس طرح مردہ زمین آب حیات سے از سر نو زندہ ہو کر ابھر جاتی، اور ناظرین کے بصر وقلب کی رونق افروزی کرتی ہے۔ اسی طرح یہ امت بھی ایک ایک دن نصح وارشاد ہدایت وتبلیغ کی آب حیات سے متمتع ہو کر از سر نو زندہ ہو جائے گی، اور وہ ناامیدی یک لخت رفع ہو جائے گی، جو بہت سے متفکرین کے قلوب پر چھا گئی ہے۔

احیا ملت کے واسطے اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً اپنے ایسے نیک بندے پیدا کئے جنہوں نے اپنی جان ومال، اپنا عزیز وقت وحیات ملک وملت کے احیا میں بے دریغ صرف کیا، جو ہمہ تن صدق واخلاص، عمل وسعی، جد وجہد تھے جنہیں لوگوں کی مدح وذم محبت وعداوت قرب وبعد کثرت وقلت، وحدت واجتماع کی کوئی پرواہ نہ تھی، نہ وہ کسی وجہ سے حق گوئی، اور دعوت الی الحق سے باز رہ سکتے تھے، وہ طمع دنیاوی، نام ونمود سے پاک اور فقر وحاجت الی غیر اللہ سے آزاد تھے حقیقی زندگی انہی لوگوں نے حاصل کی، یہ اپنی جان ومال، عز وجاہ سب کچھ اعلاء کلمۃ اللہ خدا کے بول بالا کرنے کے لئے قربان کر چکے، نہ خود ان کی کوئی عز وجاہ تھی، نہ سطوت وشوکت، وہ محض غریب واجنبی تھے، مگر ان سے وہ کام انجام پائے جو بڑے بڑے تاجدار، صاحب شوکت وحشمت سے نہ انجام پا سکے، وہ بے زر ودرم کے بادشاہ، بے تخت وتاج کے ملک تھے، ان کا تصرف دلوں پر تھا، لوگ دل سے ان کے مطیع تھے، بڑے

بڑے تاجوران سے مرعوب و خائف تھے۔ انہوں نے سینکڑوں تاج والوں کے تاج اتار کر پھینکدیئے اور اپنے واسطے وہی فقر و سادگی کی زندگی پسند کی حقیقت میں یہی لوگ اس صفت سے آراستہ تھے کہ آسمان و زمین کی کل اشیاء ان کے واسطے مطیع و منقاد کی گئی ہے۔ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض، علوم فطرت سے انہوں نے پورا فائدہ حاصل کیا اور جس قدر غور و خوض زیادہ کیا، انہماک استغراق بڑھتا رہا، اسی قدر وہ اپنے عجز و ضعف جہل و نادانی کا اقرار کرتے ہوئے پکار اٹھے سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

نِهَايَةُ اِدْرَاكِ الْعُقُوْلِ عِقَالُ
وَاَكْثَرُ سَعْىِ الْعَالَمِيْنَ ضَلَالُ

مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے کہ ان ائمہ ہدیٰ، مصابیح دجیٰ، نجوم صراط مستقیم کے حالات زندگی پڑھیں، ان کے طور و طریقہ کو اچھی طرح پہچانیں، اور جو بہترین اعمال و اقوال ان کے پائیں اس کے مطابق اپنا عمل و طریق کریں، تاکہ ان کی حالت درست ہوجائے۔ اور یہ اس ذلت و ادبار، تقہقر و تہور سے بچ جائیں حقیقت میں صالحین و اولیاء اللہ کی محبت کا راز ہی یہ ہے کہ ان کی صحیح اتباع کی جائے۔ ان کے طریق عمل کو جانچ کر جو بہتر اعمال ہوں، سب لے لئے جائیں محض رسمی محبت، یا چند لغو و فضول افعال مثلاً عرس، نذر و نیاز وغیرہ سے ظاہری طور پر اس محبت کا اظہار کیا جائے، تو یہ غلط اور ناجائز ہوگا، اولاً یہ شرع کے نصوص کی خلاف ہے اور مسلمانوں کے لیئے باعث ہلاکت و تباہی اور صریح شرک۔ ثانیاً اس سے کسی قسم کی ترقی اور قلب کی اصلاح کی جگہ تنزل و فساد قلب حاصل ہوتا ہے، یہ اللہ سے دور، اللہ والوں سے الگ لیجاتے ہیں، اس سے ان اولیاء کی محبت نہیں پیدا ہوتی، بلکہ عداوت پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ وہ خود ان رسومات و فضولیات کے سب سے بڑے دشمن تھے، یہ تمام اقوام کا عام دستور اور مستمر طریقہ رہا ہے اور رہے گا کہ ترقی کے دور میں جو بڑے اور ذی اثر لوگ تھے تنزل کے دور میں معبود و مسجود بنائے جاتے ہیں، اور ان کی اقتداء و اسوہ کی جگہ اس ظاہری ٹیپ ٹاپ کو محبت کا مجسمہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ جس قوم میں ادبار و تنزل جہل و تحاسد، فضولیت

وبے اصولی، خودسری و نخوت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی پوچ اور لچر اعمال و رسوم میں منہمک ہو جاتی ہے، اور انہیں کو اپنا اصل اصول سمجھ بیٹھتی ہے۔ لب و مغز کی جگہ قشر و چھلکا، حقیقت کی جگہ سطحیت پر اتر آتی ہے، اور اسی ظاہری اوضاع و اطوار کو اپنا اصل متاع سمجھکر اپنی ساری قوت صرف کر دیتی ہے۔ نتیجہ وہی نکلتا ہے جو نکلنا چاہیئے یعنی اپنی دنیا و آخرت خراب کرکے قعر مذلت میں جا پہونچتی ہے۔ آخرت کی زندگی جو درست کرنا چاہتا ہے وہی دراصل دنیا کی زندگی بھی درست کرسکتا ہے، ورنہ جو لوگ محض دنیا کی زندگی کو اپنا رأس المال سمجھ بیٹھے ہیں، اور حقیقی حیات اسیکو خیال کرتے ہیں وہ حیوانی زندگی سے آگے نہیں بڑھے، یہ شہوات کے بندے مطلب پرست اور کلاب الدنیا کہلائے جاتے ہیں، انہوں نے اپنی زندگی، اور بہائم و جمادات و نباتات میں کوئی تمیز نہیں کی، وہ کسی دائمی و ابدی زندگی کے نہ معتقد ہیں، نہ اس کے اہل ہیں، اِنْ هُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ جس طرح ان کے واسطے آخرت نہیں، دنیا بھی نہیں ہے، اگر بظاہر کچھ معلوم ہو تو اسے سراب بے حقیقت سمجھنا چاہیئے وَلَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ، یہ متاع قلیل بھی ہر ایک کے نصیب نہیں یا اقل قلیل اس سے گونہ متمتع ہوتے ہیں، مگر یہ ابدی ذلت و خواری کے مقابل لاشئ اور کالعدم ہے۔

اسلام کی تاریخ میں ترقی و تنزل کے بہت سے ادوار گذر چکے ہیں، مگر آخری تنزل جو اسلام و علوم اسلام کو آٹھویں صدی ہجری میں تیمور کے حملہ سے ہوا، اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس کے بعد علم محض چند تقلیدی و رسمی امور کا نام ہو گیا، جو عباپوشی اور دستار بندی پر ختم ہوتا ہے تحقیق کی جگہ تقلید و جمود نے لے لی، علم کی جگہ جہل مرکب نے، تم جس قدر غور و فکر اور تاریخ کی ورق گردانی کروگے، یہ کلیہ بخوبی صادق آئیگا کہ آٹھویں صدی کے بعد علم کی روح فنا ہو گئی، نہ وہ فضلاء پائے جاتے ہیں جو آٹھویں صدی میں تھے، چنگیز خانی حملہ نے اسلام کو جو صدمہ پہونچایا وہ یقیناً ناقابل تلافی تھا، اور ہوا بھی ایسا ہی کہ مسلمانوں سے صحیح علمی مذاق فنا اور تحقیق و جستجو کا دروازہ بند ہو گیا، علمی ترقی رک گئی، اور وہ ولولہ و اجتہاد، ذوق علمی و انتقاد ختم ہو گیا، اس کے بعد تیمور کے حملہ نے بقیہ حصہ کو ایسی کاری ضرب لگائی کہ پھر اس ستم کے وسط جو چنگیز خانی

حملے کے بعد سے مفقود ہو گئے۔ اور عامی مشرب، تحقیق سے اجنبی، تقلید و جمود میں منہمک ایسے علماء رہ گئے، جنہیں نہ دین و دینی امور سے ذوق تھا، نہ دین کا درد، نہ حق کا خیال، نہ احقاق حق سے واسطہ، غرض محض دنیا پرست، عامیانہ مشرب ایسے ملا پیدا ہونے لگے، جن کے وجود سے اسلام واہل اسلام کو نقصان کے سوا کچھ نفع نہ پہونچا، ہاں انہوں نے مسلمانوں کو تعز مذلت، جبن و خیانت مکر و تلبیس کی کچھ تعلیم و تلقین کی ہو گی، تقلید و قبر پرستی، رسم ظاہری پابندی کی تعلیم ان کا راس المال تھا، توحید کا قائل، سچا موحد صرف اللہ وحدہ لاشریک سے ڈرتا ہے، اور اسی کے فرمان کا ہمیشہ پابند ہوتا ہے، مقلد و مبتدع ہزاروں اشیاء کا معتقد اور اللہ کے علاوہ ہزاروں چیزوں سے خائف بلکہ صرف غیر اللہ سے ہی خائف رہتا ہے۔ وہ ہر زندہ، مردہ، جن و انس حتی کہ قبہ و قبر سے اسی قدر یا اس سے کچھ زیادہ ہی ڈرتا ہے جسقدر خدا سے ڈرنا چاہیئے، بالآخر وہ ذلیل و خوار، جبان و بے وقار، مملوک مستعبد ہو جاتا ہے، اس کی ذہنیت بدل جاتی ہے اسلام کے اصلی خیال کا بخط مستقیم مخالف و عدو بنجاتا ہے۔ اس میں خودداری و اعتماد نفس کا ملکہ نہیں ہوتا، وہ علم کو اپنے واسطے ناجائز اور جہل و تقلید کو واجب و لازم سمجھتا ہے اسے یہ اعتقاد خوفزدہ کر دیتا ہے۔ کہ "علم صرف چند پہلے لوگوں کا حصہ تھا" کتاب و سنت سے واقف صرف چند نفر ہوئے ہیں باقی سب جاہل و بے خبر، مقلد و امی تھے، اور رہیں گے۔ نبوت کیطرح علم و تحقیق بھی چند مخصوص افراد کا حصہ تھا جنہیں اللہ تعالی نے اسواسطے پیدا کیا تھا کہ وہ لوگوں کے واسطے مسائل کی تحقیق کر کے "فقہ" کے نام سے اسے مدون کر جائیں، آئندہ خلق خدا کو اس پریشانی سے نجات دیکر اس دروازہ کے کھٹکھٹانے سے باز رکھیں، حالانکہ یہ وہ جہل اور بے دلیل، لغو و بے معنی خیال تھا، جس پر نہ کوئی عقلی دلیل ہے، نہ نقلی، نہ کتاب و سنت میں اس کا پتہ مل سکتا ہے، نہ ان آئمہ دین کے اقوال سے کچھ اس کی اصل پائی جاتی ہے ان ائمہ دین نے کسی جگہ یہ نہیں کہا کہ "علم اور علمی سرمایہ صرف ہمارے حصہ میں آچکا ہے، اب آگے کسی صاحب کو اس کی زحمت نہ کرنی چاہیئے، کہ وہ علم حاصل کریں"۔ بلکہ اس کے خلاف ان ائمہ دین و علماء نے یہ صاف و صریح اعلان کیا، کہ "علم خدا کی رحمت و فضل ہے، وہ جسے چاہے دیتا ہے تحقیق کسی خاص شخص کا منصب نہیں، کہ وہی اس کا واحد اجارہ دار بنجائے، ہر شخص اپنے

لیے تحقیق وجستجو کرے" یہ بھی فرمایا کہ "ہمارے مسائل بلا تحقیق ہرگز نہ قبول کیے جائیں، جب ایک شخص تحقیق کا اہل ہے تو اُسے تقلید کب جائز و درست ہوگی" مگر ان علماء دین کی یہ باتیں قابل قبول نہیں، اس لئے کہ ہمارے رواج، ہمارے قدیم طریقے، ہمارے آبا و اجداد کے رسوم کے خلاف ہیں، ان کی تقلید صرف ان باتوں میں کی جائے گی جن میں وہ خود منع کر چکے ہوں یہی نہیں بلکہ ان مقامات پر خاص طور پر تقلید کی جائے گی جہاں کتاب وسنت کے خلاف ان کا کوئی ضعیف قول ملے۔ غرض یہ ہے کہ سارا معاملہ الٹ دیا جائے، اسلام کی اصلی آب و تاب فنا کی جائے، وہ اسلامی تلوار جس کے دیکھتے ہی کفر لرزہ براندام ہوتا تھا، جس کی آب و تاب سے اعداء کی آنکھیں خیرہ وتیرہ ہو جاتی تھیں، ایسی زنگ آلود بے اثر ہوگئی کہ اب اس سے وہ بے خوف و مامون ہوگئے، بہادری کی جگہ بزدلی، اور اسلام کی جگہ شرک وکفر کے رسوم نے دین کی جگہ الحاد و زندقہ نے غصب کی، علماء کی جگہ نا اہل عبا و قبا، عمائم و جبہ پوش حضرات نے لی، جو عباد الدراہم والدنانیر اور اصحاب القبور کے بندے ہیں

عرصہ دراز اسی حالت میں گذرا، بندگان خدا اسی جہل وعناد فسق و فساد میں مصروف رہے، چاروں طرف سے اعداء دین کفار و مشرکین نے اسلام پر حملے شروع کر دیئے، اور آہستہ آہستہ ممالک اسلام یکے بعد دیگرے کفر و شرک کے جھنڈے کے نیچے آتے گئے، اس وقت غیرت الٰہی نے جوش کھایا، اور مسلمانوں میں ایسے نفوس ذکیہ پیدا کئے جو تیار ہو گئے کہ دین کے مٹے ہوئے نشانات شریعت کے غیر معروف طرق کو از سر نو صاف و واضح کریں اسلام کا بھولا ہوا سبق از سر نو یاد دلایا جائے، توحید و اخلاص کا مضبوط کڑا اللہ کے بندوں کے لئے پھر لٹکایا جائے جس کے ہوتے ہوئے نہ گمراہی کا خوف ہے نہ ذلت کا خطرہ۔ یہ بارہویں صدی کا وہ عہد مبارک ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے پرانے مٹے ہوئے نشانات کو چند نفوس ذکیہ کے ذریعہ نیا اور آبدار بنایا، اس میں اصلاح و تجدید کرائی، اس کے مردہ جسم میں حیات و قوت عطا فرمائی، شرک و بدعات کی جگہ توحید و سنت تقلید و جمود کی جگہ تحقیق و تفتیش نے لی، یہاں کسی ایک رسم و بدعت کا کیا ذکر ہے ابتداء سے انتہا تک رسوم و بدعات ہی کا غلبہ تھا، کلمہ توحید سے لیکر نماز روزہ حج وغیرہ تمام فرائض بدعات و بیجا رسوم کے معدن

ومخزن بنے ہوئے تھے، کوئی کام سنت کے مطابق نہیں کیا جاتا تھا کسی رسم وعمل کو شرعی کسوٹی پر کسنے کی ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی، ہر ایک قول وعمل کے لئے "انا وجدنا اٰباءنا علیٰ امۃ وانا علیٰ اٰثارھم مقتدون" دستور عمل تھا۔

ان نفوس ذکیہ نے مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا، توحید پر جو زنگ شرک چڑھ گیا تھا، سنت پر جو بدعت کا گرد وغبار تھا، اسے صاف کرکے صحیح اسلام خلق خدا کے روبرو پیش کیا، عرب سے اس اصلاح کی صدا بلند ہوئی جس کا مرکز مدینہ منورہ تھا۔ وہاں چند نفوس فضلاء ومحققین سندی وکردی ومغربی جمع ہوئے، انہوں نے اصلاح وتحقیق تنقید وتردید کا باب کھولا، اور عوام کو اس سے روشناس کیا، طلبہ وحق کے متلاشی ان کے گرد جمع ہو گئے، اور ہر طرف سے تشنگان علم شیفتگان حق وصدق کا اچھا خاصا ہجوم ہو گیا، نجد میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اس دارالعلوم سے فارغ ہو کر گئے، ہند میں شیخ محمد فاخر الہ آبادی فدائے سنت اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب مجدد ملت وغیرہ وہاں سے سیراب ہو کر آئے، مغرب میں سنوسیہ کے متفرق گروہ پہونچے، سب اپنے اپنے وطن مالوف پہونچکر جو امانت وودیعت انکے سپرد کیگئی تھی اسکے افشار واظہار میں مصروف ہو گئے، اور بہتر سے بہتر جو عملی طریقہ ہوسکتا تھا وہ انجام دیا۔

شاہ صاحب کی اسکیم شاہ صاحب سے پہلے ہندوستان میں حدیث کا بہت ہی کم چرچا تھا، قرآن مجید کے پڑھنے اور سمجھنے کا تو رواج ہی نہ تھا، نہ لوگوں کے خیال میں "قرآن" بجز لفظی اصلاح وتجوید کے کوئی پڑھنے سمجھنے کی چیز تھی، نہ لوگوں کو اس کی سمجھ آسکتی تھی، اس لئے کہ اس کے سمجھنے کے لئے چودہ علوم درکار ہیں، پھر چودہ علوم کے بعد بھی تقلید کی عینک ضروری اور لابدی ہے جس کے معنے یہ کہ میں سب کچھ جانتا ہوں مگر کچھ نہیں سمجھتا، اور اگرچہ میں نے عربیت اور فنون میں وہ ملکہ پیدا کر لیا ہے، جو ائمہ اربعہ کو نصیب نہ تھا، مگر میں کسی چیز کو کچھ نہیں سمجھ سکتا، نہ مجھ میں تحقیق کی صلاحیت پیدا ہوئی، نہ کبھی ہوسکتی ہے حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں، اس لئے کہ بعض شافعیہ کے مطابق ہیں بعض مالکیہ کے، بعض حنفیہ کے، مقلد ہونے کے بعد صرف "فقہ" وفروع کی جزئیات ہی آخری تحقیق کا حکم رکھتی ہیں۔

اَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُعْتَمَدُہٗ قَوْلُ الْمُجْتَہِدِ کا انتہائی فیصلہ بمنزلہ وحی آسمانی سمجھ بیٹھے، اور اَلْمُقَلِّدُ

کا یکون فقیہاً کو قطعی یقین کر چکے، اگر کسی نے کوئی حدیث بطور استدلال پیش کی، تو یہ شور
بپا کیا، "تو مقلد ہستی، ترا با حدیث چہ کار"، اس عظیم الشان تازیانہ کے بعد کسے ہمت ہو سکتی ہے
کہ دم مارے، بیچارہ ساکت وصامت ہو کر رہجاتا۔ اگر اس پر بھی وہ کچھ چون وچرا کرے۔
تو حکومت اپنے ہاتھ میں تھی، جس طرح چاہتے سزا دلاتے، جلا وطن کرتے، درس وتدریس
کا جو دقیانوسی طریقہ اس زمانہ میں تھا، وہ آج بھی اسی طرح رائج ہے، جس میں عمر بھر صرف نحو
منطق وفلسفہ، کلام وہیأت، فقہ وغیرہ پڑھتے ہیں، نہ قرآن مجید کا کوئی چرچا، نہ حدیث شریف
سے کوئی ربط وتعلق، جب تمام عقائد وخیالات آرا روا ہوا پختہ اور مضبوط ہو جاتے ہیں، ضد
وسفسطہ پوری طرح اپنا عمل کر چکتا ہے، اور کسی قسم کا شبہہ باقی نہیں رہتا، کہ اب کوئی صحیح مسئلہ اثر
کرے گا، تب آخر میں برائے نام بطور تبرک کچھ حصہ کلام مجید کا مع تفسیر جلالین وبیضاوی پڑھا
دیتے ہیں، اسی طرح صحاح ستہ کا دورہ بھی کرا دیتے ہیں جس میں زیادہ سے زیادہ ایک سال کی
مدت صرف کیجاتی ہے کیونکہ یہ کوئی اہم چیز نہیں، مسائل واعتقادات پہلے طے ہو چکے ہیں، صرف
کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ کی تاویل درکار رہتی، تاکہ جو آیات وروایات اپنے مذہب کے
مطابق ہوں، انہیں بخوبی سمجھا دیا جائے، اور جو اس کے خلاف ہوں، انہیں منسوخ مؤول و
محرف کر دیا جائے، یا یہ کہدیا جائے کہ انہیں شافعی نے لیا ہے، یا امام صاحب کے یہاں یہ مقبول
نہیں، اس لئے کہ فلاں روایت اس کے خلاف ہے، اور اگر کوئی روایت نہیں تو اسقدر
ضرور کہہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ امام صاحب نے اسے نہیں قبول کیا، اس لئے یہ ضعیف ہوگی،
اور اگر ضعیف نہیں تو امام صاحب کو کوئی اور روایت پہونچی ہوگی۔ غرض اس قسم کے فاسد
احتمالات اور رکیک تاویلات پر مذہب کی اساس قائم کی گئی، اور چونکہ آخری زمانہ میں حدیث
کی مشہور کتابیں بھی آ چکی تھیں، اس لئے تاویل کی زیادہ ضرورت ہوئی، کیونکہ اکثر لوگوں نے
صریح سنن نبویہ کو دیکھکر مذہب کی پابندی میں رہنا خلاف عقل ودین سمجھا، آخر تاویل کہاں تک
کیجاوے، اور ہر ایک دماغ کو کس طرح مجبور کیا جائے کہ وہ خواہ مخواہ باطل ورکیک تاویل
کو قبول کرے کے صحیح طریق سے منحرف ہی رہے۔ عموماً شاہ صاحب سے پہلے کتب حدیث کی تعلیم
ہی مفقود تھی، پہلے تو صرف مشکوٰۃ وشمائل نبوی اور مشارق الانوار یا اس قسم کے مختصرات پر قناعت

ہی نہ کی جاتی تھی، بلکہ بڑے سے بڑا محدث انہیں چیزوں کے پڑھنے والے کو سمجھتے تھے، اب حدیث کے اصول مشہورہ آ گئے، بالخصوص صحیح بخاری جو طالب العلم کے دماغ کو اگر اس میں کچھ بھی قابلیت ہو، جمود و تقلید سے نکالکر اجتہاد و تحقیق کے میدان میں لے جاتی ہے، اس میں کسی بڑے یا چھوٹے کا حق کے خلاف کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا نہ رعایت کا دروازہ کھولا گیا، یہ وہ علم تھا کہ جس کی اشاعت سے محققین کی ایک عظیم الشان جماعت پیدا ہو گئی۔ علامہ فاخر الہ آبادی ان ہی لوگوں میں تھے، جو شیخ محمد حیات سندی کے شاگرد اور شاہ ولی اللہ صاحب کے معاصر تھے، شاہ صاحب نے اپنے مختلف تجربوں سے فائدہ اٹھا کر تعلیم کے پرانے طریقہ کی بہت کچھ اصلاح کی، ہر طالب العلم کے لئے تھوڑی سی تعلیم کے بعد قرآن مجید کی تعلیم ضروری کردی، تاکہ اس کے قلب میں صحیح علم و عمل جاگزیں ہو، اور وہ حق و باطل میں تمیز کر سکے، عربی عبارت کے چلتے ہی حدیث کی ایک کتاب لازمی قرار دی تاکہ سنت کا صحیح طریقہ معلوم ہو سکے اور ہر طالب العلم کے دل میں صحیح اسلام پیدا ہو جائے۔ وہ حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھنے کے قابل ہو، فقہ کی تعلیم اور اس پر عمل کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ بلا موازنہ و مقابلہ فقہی مسئلہ قابل عمل نہ سمجھا جائے، جو مسئلہ مقابلہ کے بعد حدیث کے موافق ہو قابل عمل ہوگا، ورنہ حدیث کے خلاف فقہ پر عمل کرنا، تابع کو متبوع اور فرع کو اصل سے بڑھانا ہے

قرآن مجید کی اشاعت

شاہ ولی اللہ صاحب نے قرآن مجید کو جو محض عمل و اصلاح کے لئے اترا تھا، مگر مسلمانوں کے یہاں وہ صرف عمدہ جزدانوں میں محفوظ رہنے کے لئے یا بوقت ضرورت فال لینے یا قسم کھانے کے لئے استعمال ہوتا تھا، عمل کے لئے تیار کیا، اس کے فہم و تدبر کی راہ نکالی، لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی، اس کام کے لئے اصول تفسیر میں "فوز کبیر" اور مشکل لغات میں "فتح خبیر" وغیرہ لکھیں، اور فارسی میں ترجمہ کر کے گویا اس زمانہ کی مروجہ زبان میں شائع کر دیا، یہ وہ اصول عمل ہے جس کے بغیر مسلمانوں کی اصلاح ناممکن تھی، اس کے ساتھ اپنے یہاں باقاعدہ درس قرآن جاری کیا اس کے خلاف علماء سوء نے جو مذبوحی حرکات کیں، اسے تم خود سوانح میں پڑھ کر عبرت حاصل کر دوگے

حدیث شریف کی خدمت

ہندوستان میں پہلے حدیث شریف کا جو چرچا تھا اسے تم

اور پر خوب سمجھ چکے ہو محض بطور تبرک اس کی گردان کر لیا کرتے تھے، اب بھی حنفیہ میں جو دورہ ہوتا ہے اس کی یہی صورت ہے، بلکہ اب حالت روز بروز ابتر ہوئی چلی جاتی ہے بڑے بڑے مشہور مدرسے مثلاً دیوبند وغیرہ میں ایسے طالب العلم دورہ میں شریک کئے جاتے ہیں جو صرف میر و نحو میر وغیرہ کی لیاقت نہیں رکھتے، یہ لوگ دستار و عبا، حاصل کر لیتے ہیں، مدرسے کے ناظمین محض خانہ پُری اور دکھانے کے لئے ایسے فارغ التحصیل کی ایک جماعت پیدا کرنے پر مجبور ہیں تاکہ ان کی کمائی میں فرق نہ آئے، اور لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس قدر لڑکے امسال فراغت حاصل کر چکے ہیں، وَا اَسَفَا دیا عجبا! علم کے ساتھ یہ تجارت وسوداگری یہ عیاری و مکاری، قوم اور ابنائے قوم کو اس طرح تباہ و برباد کرنا! اس سے بڑھکر دنیا میں کوئی خیانت نہیں ہو سکتی، نہ اس سے بڑھکر علم کے فنا کرنے کی کوئی صورت ممکن ہے۔

خدا کے لئے یہ رسم بے ہودہ، یہ بدعت سیئہ جلد از جلد بند کیجئے، ورنہ علم کا جو کچھ احترام ہے وہ بھی ختم ہوا جاتا ہے، درس حدیث کی جو صورت بالعموم رائج ہے یہ ہے کہ اولا حدیث کو قریب یا بعید تاویل کے ذریعہ مذہب کے مطابق ڈھال دیا جائے، اگر یہ صورت ہو جائے، تو اس سے بہتر کوئی عمل نہیں ہو سکتا، پھر اگر یہ ممکن نہ ہو تو حدیث کو ضعیف بنا دیا جائے، اس کی بابت جو سعی ممکن ہو وہ انجام دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے، اگرچہ وہ حدیث اصح الاحادیث اور صحیحین کی کیوں نہ ہو اس وقت مقلد حضرات ہی مجتہد العصر کے کارنامے دکھلانے کے واسطے مستعد ہو جاتے ہیں، بلکہ بصراحت اعلان کرتے ہیں کہ ہم بخاری و مسلم کے مقلد نہیں ہیں، اگر اس حیلے سے کام نہ چلے تو اسے منسوخ کہدینے میں تامل نہ کیا جائے، اگر یہ شکل بھی دشوار نظر آئے تو کوئی عام آیت یا حدیث پیش کر کے اس کے خلاف بنا دی جائے، جہاں مذہب کے موافق ہو، وہاں تقیید روا رکھی جائے، اس طور پر کہ یہ حدیث مشہور ہے، اور حدیث مشہور سے تقیید درست ہے، اگرچہ وہ حدیث فی نفسہ غریب بلکہ ضعیف و موضوع کیوں نہ ہو۔

ان تمام صورتوں میں سے اگر کوئی موقع نہ ملے تو پھر دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کی جائے، یا کوئی صحابی و تابعی اس کا مخالف دستیاب ہو جائے تو یہ کہہ کر کہ اگر یہ حدیث ہوتی، تو فلاں صحابی و تابعی کیوں کر اس کے خلاف عمل کرتا، یا یقیناً اس کے پاس

کوئی اور حدیث ہوگی، اسی واسطے اس حدیث کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ حدیث ناقابل قبول ٹہرائی جاتی ہے، یا اگر اتفاق سے کبھی یہ صورت حاصل ہوجائے تو ایک عظیم الشان ہتھیار ہاتھ آجاتا ہے۔ وہ یہ کہ جس صحابی سے حدیث مروی ہے، اس کے خلاف اس کا عمل یا قول مل جائے تو پکار اُٹھتے ہیں "چونکہ صحابی نے اس پر عمل نہیں کیا تو یا یہ روایت ناقابل اعتبار ہے، یا صحابی تارک سنت ہوکر مجروح ہوگا" حالانکہ بیسیوں ایسے مسائل خود ان کے ہیں، جہاں یہ قاعدہ نہیں چلتا، نہ اسپر عمل کرتے ہیں، جب کسی روایت میں یہ تمام حیل لطیفہ کام نہیں دیتے تو بھی مقلدین حضرات اقرار نہیں کرسکتے، اس لئے کہ یہ مسئلہ پہلے سے سیکھ چکے ہیں کہ مذہب کے خلاف جو حدیث ہو اس کو ہر قسم کی تاویل سے مذہب کے مطابق کرنا چاہئے، یا ایسے معنے کرنے چاہئیں جو قابل عمل ہی نہ ہوں، تاکہ مذہب کی چار دیواری ہر رخنہ سے محفوظ رہے، اور مخالف کا دعویٰ ثابت نہ ہوسکے، اس صورت میں حدیث کو یا تو مہمل کردیا جاتا ہے، یا قریب بہ محال، مثلاً "اِذَا کَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ" کے ماتحت یہ تمام مدارج علماء حنفیہ نے طے کئے ہیں، اور بعض حضرات مثل طحاوی وغیرہ نے مجبور ہوکر یہ کہدیا ہے کہ "حدیث صحیح ہے، مگر اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے اس لئے کہ "قلۃ" ایک مشترک لفظ ہے جو پہاڑ کی چوٹی، انسان کے قد و قامت، ہر چیز کا اعلیٰ حصہ، مٹکا، سب میں مستعمل ہے۔ نہ معلوم اس جگہ حدیث میں کیا مقصود ہے؟ ان بزرگوں کے دل میں ذرہ بھر خوف الٰہی اور عقل انسانی کام نہیں کرتی، کہ انصاف کرتے ہوئے یہ فیصلہ کرتے کہ جب پانی کا ذکر ہے تو قلہ کے کون سے معنی زیادہ انسب و اولیٰ ہوں گے کیا کوئی ذی عقل و دماغ مشترک لفظ کو بلاقرینہ اس طرح استعمال کرسکتا ہے، جس سے کلام بجائے مفید ہونے کے لغو اور اصوات بہائم بنجائے، اور ان خدا کے بندوں کے دل میں یہ خطرہ کبھی نہ گذرا کہ ہمارے یہ حیلے اور یہ تاویلات رکیکہ جب کسی محقق کے روبرو پہنچینگے تو وہ کیا کہیگا! اور کس قدر تعجب و افسوس کرے گا،؟ ان تمام حیل سے بھی اگر کام نہ چل سکے تو پھر یہ آخری حربہ استعمال کیا جاتا ہے، جو سراسر بے انصافی و جہل ہے، وہ یہ کہ حدیث پر عمل کرنے سے ہماری فقہ بیکار ہوئی جاتی ہے، اس لئے ہم ایسے موقع پر حدیث پر عمل نہیں کرسکتے، بالخصوص چند مکثرین (جنکی روائتیں بہت ہیں، مثلاً ابوہریرہ انس ابوسعید خدری وغیرہ)

کی روایتوں کو جب قیاس کے خلاف پائیں تو اگرچہ صحیح ہوں ناقابل عمل سمجھتے ہیں، ورنہ ان پر عمل کرنے سے قیاس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور فقہ کا سارا سرمایہ غلط و ردیا برد ہو جاتا ہے فیا عجبا لعقولہم الجامدہ، ویا اسفا علی آرائہم الفاسدہ، وا ہواہم الخامدہ، شاہ صاحب نے اس غلط طریقہ کی اصلاح کی، حدیث کو اصل ٹھہرایا، اور فقہ کو فرع، اس طرح فقہ کے بے شمار مسائل غلط و ناقابل عمل ٹھہرتے، حدیث کے درس کے ساتھ ساتھ موطا کی عربی و فارسی مختصر شرح لکھی، اور "حجۃ اللہ البالغہ" لکھ کر فقہ حدیث اور ترجیح حق کا ایسا دروازہ کھولا کہ جس سے منصف مزاج کسی طرح انحراف نہیں کر سکتا، حکمت شرعیہ یا جسے علل شرع بھی کہتے ہیں متعدد کتابیں لکھیں جن میں "حجۃ اللہ" اعلیٰ وارفع ہے، گویا علماء متقدمین نے جو کچھ اس باب میں متفرق لکھا تھا اسے یکجا کر کے اپنی خاص تحقیقات کا ایسا اضافہ کر دیا ہے جس سے یہ فن ان کا ایجاد و اختراع معلوم ہوتا ہے، یہ بحث قابل تدبر و امعان نظر ہے کہ مسائل شرعیہ معلل ہیں یا نہیں، اس کے متعلق ہم نے علامہ "ابن حزم" کے حالات میں مفصل و مدلل بحث کی ہے۔

شاہ صاحب اور مسئلہ تقلید

شاہ صاحب نے تحقیق و تنقید کے ذریعہ تقلید و قدامت پرستی کے دائرہ کو بہت مختصر کر دیا بلکہ اگر غور کیا جائے تو اسے ہمیشہ کے لئے فنا کر دیا، اس بارہ میں متعدد رسائل لکھے اور اپنی ہر کتاب میں اس کا کچھ نہ کچھ ذکر کر دیا ہے۔ مگر وصیت نامہ جس کا ترجمہ سوانح عمری کے آخر میں درج ہے۔ اس بارہ میں ان کا آخری اور قطعی فیصلہ سمجھنا چاہئے۔ زمانہ کے لحاظ سے جو دقت و اشکال، جو مخالفت و عناد ان کے ساتھ برتا گیا، اس کا انہوں نے بہت کچھ خیال کرتے ہوئے مناسب اور مہذب طریقہ سے اس سے خلاصی حاصل کرنے کی سعی کی، ہمارے سامنے دنیائے اسلام کے بہت سے ائمہ ہدیٰ موجود ہیں، جن میں دو قسم کے رنگ پائے جاتے ہیں، اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ موزوں و انسب ہے، ایک وہ جو حق کا اعلان صراحت و وضاحت سے کرتے ہیں، اس بارہ میں وہ کسی لومۃ لائم کا خیال نہیں کرتے نہ کسی کی عداوت و محبت کا لحاظ۔ انہوں نے یخشونہ ولا یخشون احدًا الا اللہ پر پورا عمل کیا، ان کا قول تھا،

اجعل اللہ صاحبا ۔ و ذر الناس جانبا

اس لئے انہوں نے حب وجاہ، عزت وحشمت کو بالائے طاق رکھ کر تصریح سے کام لیا، ایک زمانہ کے دو فاضل کی مثال اس کے واسطے کافی ہے، "امام ابن حزم" رحمہ اللہ نے جب تقلید کی تردید کی، ائمہ متبوعین کے غلط مسائل کا برملا تخطیہ کیا، تو لوگ اسے ظلم وستم سب وشتم سے تعبیر کرنے لگے، اور بعض نے یہ تیز جملہ کہدیا کہ "ابن حزم کی زبان اور حجاج بن یوسف کی تلوار توام ہیں"۔ ان کے رفیق خاص "حافظ ابن عبد البر" نے اپنی کتاب التمہید واستذکار اور جامع بیان فضل العلم واہلہ میں جب یہی مضمون دوسری صورت سے اوروں سے نقل کرکے لکھا تو وہ کسی طرح بدنام نہ ہوئے۔ بلکہ اچھے خاصے مالکی کہلاتے رہے، دونوں کے یہاں بات ایک ہے، فرق صرف کنایہ وتصریح کا ہے، ایک اپنا اور دوسرے کا، یعنی ایک بذات خود تردید کر رہا ہے، دوسرا وہی کام اوروں کے اقوال سے کر رہا ہے۔ کسی کو تصریح پسند ہے، کسی کو کنایہ،

الا فاسقنی خمراً وقل لی ھی الخمر　　ولا تسقنی سراً اذا امکن الجھر

انی لاکنی باجبال عن اجبلھا　　وباسم اودیۃ عن اسم وادیھا

شاہ صاحب اور تصوف

شاہ صاحب کے خاندان میں تصوف کا کافی رواج تھا، جس طرح فقہاء کے یہاں بدعات ورسوم کا غلبہ ہوگیا، اسی طرح متصوفین میں بھی بدعات نے پورا تسلط جما لیا ہے، اور بہت سے اہل مکر وتلبیس صوفیہ کے بھیس میں خلق خدا کو گمراہ کرنے والے نظر آتے ہیں، خود تصوف کے سلسلہ میں بہت کچھ گنجایش ہے، لہذا اکثر وبیشتر اسی قسم کے لوگ یہاں کام کرتے ہوئے نظر آئیں گے، شاہ صاحب نے اپنے خاص طریقہ سے اس میں بھی اصلاح کی کوشش کی، مگر مولانا اسمعیل شہید رحمہ اللہ نے اسے واضح طور پر اپنی کتاب صراط مستقیم میں بیان کرکے بہت سے رسوم و خرافات کو علی الاعلان خلاف سنت قرار دیا، تاہم یہ قرین انصاف ہے کہ تصوف کی بدعت سے پوری نجات نہ مل سکی، اور اس میں لوگ کچھ نہ کچھ پھنسے رہے، سید احمد صاحب مجاہد فی سبیل اللہ کا یہ معمول تھا کہ پہلے محمدی طریقہ میں بیعت لیتے، پھر نقشبندی وغیرہ سلسلہ

ہیں، دریافت کرنے پر بتایا کہ ہم دراصل اتباع سنت اور طریقہ محمدیہ کی بیعت لیتے ہیں
پھر عام رواج کے مطابق نقشبندی وغیرہ سلسلہ میں بھی شریک کر لیتے ہیں کیونکہ اس کی
تلقین بھی ہم نے حاصل کی ہے۔ بہر حال اس سلسلہ کی ایک حد تک اصلاح کی، خرقہ پوشی
کا مسئلہ جس کی اسناد کبھی حضرت ابوبکرؓ کے واسطہ سے اور کبھی حضرت علیؓ کے واسطہ سے
منقول ہے، شاہ صاحب نے بایں اشارہ ضعیف قرار دیا، کہ محدثین کرام کے اصول کے
مطابق یہ ناقابل اعتبار ہے، واقعہ بھی یہی ہے کہ جس چیز کا کوئی ثبوت ازمنہ متقدمہ میں نہ
ہو، نہ اس کا کوئی اثر ہو، پھر یکایک کوئی جماعت بعد میں آکر اُسے شائع کردے تو یہ چیز
کسی طرح قابل عمل و اعتماد نہیں ہو سکتی، خرقہ کا پتہ صدر اول میں نہیں پایا جاتا، پس اس کے
بدعت ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا، دوسری بدعات کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ آج بھی باوجود
متعدد اصلاحوں کے بعض اکابر کی بابت سنا گیا ہے کہ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ"
کو جائز و مستحسن خیال کرتے ہیں، جو صراحتہ شرک ہے، تو ایسے فضلاء کے نزدیک بیعت کا واجب
ہونا کچھ خلاف عقل نہیں، اگرچہ شرعاً اس کا وجود ہی نہ ہو، یا اس کا ثبوت نہ مل سکے، قبر پر
مراقبہ کی بابت شاہ عبدالعزیز صاحب تک سلسلہ قائم تھا، ان سے دریافت کیا گیا تو
تو بولے، ہمارے یہاں قدیم دستور ہے۔ افسوس اہل علم نے اس بارہ میں بہت کم اصلاح
کی، اور قبر کی رسوم پورے زور و شور سے آج تک اسی طرح زندہ ہیں، قبر پر مجاور ہونا،
قبر پر عرس و میلہ لگنا، قبر کا سجدہ، قبر پر رسوم کفر و شرک کا انجام پانا بعینہ باقی ہے، اور مسلمانوں
کے واسطے جہاں تباہی و بربادی کے ہزاروں سامان ہیں، وہاں شیطان نے
قبروں کو بھی اعلیٰ ترین سامان بنا رکھا ہے، سینکڑوں جگہ میلے لگتے ہیں، لوگ دور دراز
مقامات سے سفر کر کے جاتے ہیں، بظاہر نیکی کا کام شمار کیا جاتا ہے۔ بباطن عیاشی و بدکاری
کا انتظام ہوتا ہے، شریعت کے خلاف کبھی بھلائی کی امید ہی نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ اس
بدعت قبیحہ سے ہر مسلم کو بچائے، آمین۔

شاہ صاحب کا نصاب تعلیم

شاہ صاحب نے نصاب تعلیم کا بھی بہت کچھ خیال کیا، اور پُرانے طرز میں بہت کچھ اصلاح کی، مگر جن کے ولدن میں

تقلید نے پوری طرح اثر کر رکھا ہے جو فضول و لغویات میں وقت کو ضائع کرنا مناسب و بہتر خیال کرتے ہیں، وہ اسے کیوں قبول کرنے لگے۔ تاہم آج زمانہ نے بتا دیا کہ جو کام ڈیڑھ دو سو برس پہلے شاہ صاحب نے انجام دینا چاہا تھا وہ اب اٹل اور لابد ہے افسوس کہ اب تک جہال عصر و مقلدین دہر اس دقیانوسی نظام تعلیم سے جدا نہیں ہوتے اسے ایک بہترین دستور العمل سمجھے بیٹھے ہیں، اور باوجود دنیا بدل جانے کے اسے بدلنا نہیں چاہتے۔

گذشتہ سال مجھے اہلحدیث جماعت کے مدرسہ "رحمانیہ" سے اتفاقی تعلق ہوا، میں جو حالات پہلے سے جانتا تھا اس بنا پر ہرگز وہاں جانا نہ چاہتا تھا مگر اس خیال سے کہ شاید کوئی اصلاح ہو سکے، وہاں گیا جانے سے پہلے اخلاق و عادات تعلیم و تعلم، ناظم وغیرہ کے جبر و استبداد کے جو حالات سنے تھے، اس سے بہت زیادہ حقائق تین ماہ کی قلیل مدت میں معلوم ہوئے۔ خیانت و دنیا داری ہر شعبہ میں ظاہر و باہر نظر آئی، اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ کے لئے بہت کم کام کئے جاتے ہیں، اور جو کام اللہ کے نام سے شہرت پاتے ہیں، ان میں بڑا حصہ نفس پرستی، خواہش پرستی اور نام و نمود کا ہے، معلم و متعلم میں سے کوئی صدق و حق کا متلاشی نہیں، سب کا اصل اصول دنیا داری اور مداہنت ہے۔ ہر قسم کے منکرات دیکھے جاتے ہیں، اور ایسے چپ ہو رہتے ہیں جیسے انہیں کچھ معلوم ہی نہیں، بلکہ بعض اوقات منکرات کی حمایت کے لئے آیۃ و حدیث پڑھ دیا کرتے ہیں۔ جھوٹی گواہی تو معمولی بات ہے، مجھے نہایت معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ ایک مولوی صاحب نے جو بظاہر بڑے متشرع اور اچھی خاصی ریش کے حامل ہیں ایک جھوٹی گواہی دیکر اپنے آپ کو عذاب الہی کا مستوجب بنالیا، خود ناظم مدرسہ کا مقولہ ہے کہ ایک دعوت کرکے میں جو چاہوں کہلوا سکتا ہوں، سرقہ و خیانت کا بازار گرم ہے، مدرسہ سے کتابیں، سامان روپیہ وغیرہ کی ہر سال مقدار وافر چوری ہوتی ہے، گذشتہ سال کے مختصر قیام میں میرے پچاس روپے کی چوری ہوئی، اور دوسروں کی بھی معتدبہ چوری ہوئی، طلبہ میں کسی قسم کا تدین نہیں، نہ تدین کا شوق و اثر ہے استاذوں کی ایک جماعت جو مدرسہ میں رہتی ہے، دن چڑھے تک سوئے رہنے کی عادی

ہے، پھر طلبہ اگر اس کی انتدا کریں تو کیا حرج ہے
تعلیم کی حالت کا اس سے اندازہ کر لیجئے، کہ سات یا آٹھ گھنٹے تک مسلسل درس ہوتا ہے، دن بھر جب استاد و طالب العلم کولہو کے بیل کی طرح جُتتے رہیں گے، تو وہ مطالعہ اور تحقیق یا اپنی درس کے تکرار و حفظ کا کون سا وقت پائیں گے؟
بعض ایسے مدرسے بھی ہیں جہاں ایک استاد تمام کتب درس کا حامل و معلّم ہے، ان مدارس میں نہ کوئی نظام ہے، نہ کوئی غرض و غایت مدنظر۔
مسلمانوں کو سب سے پہلے اپنی تعلیم کی اصلاح کرنی چاہیئے، عربی تعلیم میں جس طرح روح نہیں ہے، اسی طرح انگریزی تعلیم بھی بے روح ہے، ہر دو کی اصلاح اہم ترین عمل ہے۔ اور اگر یہی صورت حال چند روز تک رہی، تو انتہائی بربادی و تباہی کے سوا کوئی نتیجہ نہ سمجھنا چاہیئے،

شاہ صاحب کے شاگرد

شاہ صاحب کے مدرسے سے جنہوں نے فیض حاصل کیا، ان کی مکمل فہرست اسوقت ہمارے پاس نہیں ہے، مگر بعض منتخب حضرات کا ذکر اپنے حفظ سے کئے دیتے ہیں، جس سے معلوم ہو گا کہ شاہ صاحب کے مدرسے میں کیسی تعلیم ہوتی تھی،

(۱) مولوی محمد معین بن محمد امین صاحب، صاحب "دراسات اللبیب" امام وقت و فاضل دہر تھے، ان کی یہ کتاب نہایت محنت و عرق ریزی اور قوت علمی کی دلیل ہے اسقدر اعلیٰ عالمانہ و فاضلانہ تقریر کی ہے کہ جو شخص اسے بغور پڑھے ان کی قابلیت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا، اتباع سنت اور تقلید و بدعت کے رد میں بہترین تالیف ہے۔
(۲) علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی ثم المصری، شارح قاموس، انہوں نے بھی شاہ صاحب سے تعلیم حاصل کی تھی۔
(۳) مولوی محمد عاشق صاحب، انہوں نے شاہ صاحب سے علم حاصل کیا، شاہ عالم کے لئے جو صحیح بخاری کا معرب نسخہ تیار کیا گیا تھا، اس میں شاہ صاحب کے ساتھ یہی شریک کار تھے، میں نے یہ نسخہ بانکی پور کی لائبریری میں دیکھا ہے۔

(۴) شاہ عبد العزیز صاحب۔ گویا یہی شاہ صاحب کی تعلیم کے مرکز ہیں۔ تمام اسانید ان ہی کے واسطے سے شاہ صاحب تک پہونچتی ہیں، سوانح میں ان کا مفصل ذکر آگیا ہے۔

(۵) شاہ رفیع الدین۔ (۶) شاہ عبد القادر صاحب ان سب کا ذکر سوانح میں ہی۔

شاہ صاحب کے دو مدرسے

شاہ صاحب کے فیض سے ہندوستان میں دو مدرسے بن گئے، ایک حنفیہ میں سہارنپور دیوبند وغیرہ کا مدرسہ، دوسرا محدثین میں دہلی کا مدرسہ، ایک حد تک دونوں ایک مدت تک قریب قریب رہے، بمطابق مرج البحرین یلتقیان، جزئی اور فرعی مسائل کے علاوہ اصول میں بجز "تقلید" سب متفق تھے، اتباع سنت کا ولولہ دونوں میں یکساں، اور توحید و شرک کے سمجھنے میں دونوں متحد تھے، حنفیہ باوجود تقلید کے بدعات و رسوم قبر سے وہی نفرت رکھتے تھے، جو محدثین کی جماعت رکھتی ہے، اسی طرح حدیث کی حد سے زیادہ تاویل نہ کرتے تھے جو تحریف کے درجہ میں پہونچا دے، رفتہ رفتہ حنفیہ کا مدرسہ جمود و خمود کیطرف بڑھتا گیا۔ تعصب مذہب میں مستغرق ہو گیا، اور اب محض تاویل حدیث اس کا شعار اور مناقب خوانی امام اسکا دثار بنگیا، گویا رسول کی دراصل کوئی اتباع ہی نہ رہی، بلکہ بوساطت ابی حنیفہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوئے، اگر بوساطت ابو حنیفہ کوئی بات نہ پہنچے تو یہ اسے تسلیم کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں

محدثین یا اہل حدیث نے عرصہ تک اشاعت سنت ابطال بدعت میں سعی کی اس کے لئے عمدہ کام انجام دیئے، اتباع سنت کا وہ جوش پیدا ہوا کہ "جہاد" جیسا فریضہ مہتم بالشان بھی ادا کیا، اور بڑے بڑے علماء جہا بذہ مثل مولانا محمد اسمعیل شہید و مولانا عبد الحیٔ و مولانا محمد علی و اعظ رام پوری، و مولانا ولایت علی صادق پوری، وغیرہ نے اس میں اپنی زندگی گذار دی، ان لوگوں نے صحابہ کرام کا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا، دن میں مجاہدانہ زندگی گذارتے، تو شب میں زاہدانہ تہجد و عبادت کی زندگی سے شب تاریک کو منور کرتے، بدعات و رسوم کے فنا کرنے میں قولاً و فعلاً انہوں نے وہ سعی کی جو مشکور ہوئی، اور جس سے اسلام کو بہت کچھ فائدہ ہوا، مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے دہلی میں درس حدیث کا وہ سلسلہ قائم کیا کہ جس سے دنیا کے ہر خطہ میں اشاعت حدیث کا وہ بے نظیر عمل انجام پایا جو

کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔ ہندوستان افغانستان، تبت و عرب، غرض تمام ممالک میں
ان کے شاگرد پہونچے، اور سنت صحیحہ پر عمل کا وہ بازار گرم ہوا کہ صحابہ کے زمانہ کے بعد
کبھی نہ دیکھا گیا ہوگا تمام مردہ سنتیں زندہ ہوگئیں، اور حق کا ڈنکا بج گیا،

اب آخری زمانہ میں یہ جماعت اس درجہ تنزل کر چکی ہے کہ بجز آمین رفع الیدین۔
سینہ پر ہاتھ باندھنے کے کوئی کام اس کے پاس نہ رہا۔ نہ حق کی اشاعت و تبلیغ کا فرض
اس پر عائد ہوتا ہے، نہ صدق مقال و حسن فعال، نہ اخلاص و صدق، نہ غیرت و حمیت،
نہ وہ جہاد کا عزم مستحکم، نہ اتباع سنت کا ولولہ، غرض محض رسم پرستی، ظاہری اعمال کی کچھ
پیروی ان کا دستور العمل بن گیا، تحاسد و تباغض. نفاق و شقاق کا سلسلہ اسقدر اس جماعت
میں مستحکم ہو گیا، کہ اس کی نظیر کسی جماعت میں ممکن نہیں، حق کی تبلیغ و اشاعت ختم کر چکے، زکوۃ
و خیرات کو غلط و بیجا صرف کرنا اپنا شعار بنا لیا، اس سے دین و دنیا کی خرابی اپنے واسطے مول لی
نہ اعلیٰ علمی مدرسہ ان کے پاس ہے، نہ انگریزی کی تعلیم کا سامان مہیا ہے، نہ یتیم خانہ ہے، نہ دینی
و علمی کتب کا کوئی خزانہ ہے، نہ دینی و علمی کتابوں کی اشاعت کا کوئی سامان ہے، حدیہ ہے
کہ صحاح ستہ جیسی اعلیٰ کتابوں کو یہ جماعت صحت و عمدہ حواشی سے اب تک شائع نہ کر سکی جس
کتاب کو دیکھو غلط سلط ہے، اور پھر حاشیہ میں وہی احناف کی رکیک و باطل تاویلات کہ جس
سے حدیث کا سارا فائدہ بیکار و ضائع ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی علمی رسالہ و اخبار انکے پاس ہے۔
غرض ان کے پاس نہ دینی تعلیم کا کوئی ذریعہ ہے، نہ دنیاوی تعلیم کا، نہ دین کی اشاعت
کا سامان فراہم کر سکے۔ نہ دنیاوی ترقی کا، عموماً اپنے لڑکوں کو یا ایسے جاہل چھوڑ دیں گے
جو آیندہ بے دین فاسق و فاجر بنجاتے ہیں، یا ان انگریزی مدارس میں پڑھواتے ہیں، خواہ
وہ مسلمانوں کے نام سے بنے ہوں، یا غیر مسلم کے جہاں سے واپسی پر وہ اچھے خاصے بددین
ملحد ہوتے ہیں، نہ ماں باپ کی عزت سمجھتے ہیں، اور نہ دین و مذہب کی وقعت جانتے ہیں،
صرف حیوۃ دنیا ان کے پیش نظر ہوتی ہے اور بس۔

اس ذیل میں مجھے اپنی ایک سرگذشت یاد آئی جس کا لکھنا باعث عبرت و موعظت
ہے، تیسرے سال میں کسی غرض سے کلکتہ جا رہا تھا، اثنا سفر میں بنارس اترنے کا اتفاق ہوا

وہاں چند لوگوں سے پہلے سے ملاقات تھی، کچھ اصلاح کا ذکر ہوا جس میں میں نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ فضول دیکھئے زکوۃ وخیرات کا سلسلہ جو تمہارے یہاں سے جاری ہے نہ دین کے رو سے صحیح، اور نہ دنیا کی حیثیت سے مفید ہے۔ اس کے ذریعہ نہ تم فرض الٰہی انجام دیتے ہو، نہ انسانی حق پورا کرتے ہو اس لئے یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ ہم اپنے فرائض منصبی سے سبکدوش ہو گئے، بلکہ یہ الٹا وبال ہے، آخرت میں تم سے بہت زیادہ پرسش ہوگی، اس کا کوئی معقول انتظام کرو، تمام خیرات یکجا جمع کر کے مناسب صورت سے صرف کرو۔ تعلیم کا انتظام کرو۔ اپنے غربا کی پرورش کرو۔ کچھ ان کے خیال میں آگیا، اور آپس میں مشورہ کر کے مجھ سے کہا کہ تم رہ جاؤ، تو ہم یہ کام انجام دیں گے، ہر چند میں نے انکار کیا۔ مگر وہ لوگ نہ مانے، بالآخر میں نے کہا مجھے اس قسم کی اصلاحی خدمت ہر وقت منظور ہے۔ بشرطیکہ آپ لوگ صحیح طریق پر کام انجام دینا چاہیں، اور میرا وقت ضائع نہ کریں، اگر ایک سال تک آپ لوگ کوئی عملی قدم معقول صورت میں نہ بڑھائیں تو میں اپنا رہنا حرام سمجھتا ہوں، مختصر یہ کہ وہ لوگ میرے ٹھہرانے میں کامیاب ہو گئے میں نے اقامت کر کے تین باتوں کی اصلاح چاہی (۱) آپس میں اتحاد کریں (۲) عربی وانگریزی تعلیم کو صحیح طریقہ پر جاری کریں (۳) زکوۃ ونفقات کا معقول نظام قائم کریں، یعنی تمام محلے والوں کی زکوۃ یک جا جمع کیجائے، اور معقول طریقہ پر جماعت کی نگرانی میں صرف ہو، اس ضروری واہم کام کے لئے آٹھ نو ماہ تک میں نے اقامت کر کے پوری سعی کی، مگر کسی قسم کی اصلاحی شکل پیدا نہ ہو سکی، اور وہ لوگ نہ اتحاد پر راضی ہوئے، نہ زکوۃ کے صحیح نظام پر قائم ہوئے، نہ مدرسہ واسکول کے واسطے تیار ہوئے، بلکہ محض معمولی اسلامی امور پر بھی پوری طرح نہ جم سکے، میں نے اعلان کر دیا کہ اگر یہی صورت حال ہے تو میرا رہنا محال ہے۔ چنانچہ مجھے مجبوراً وہاں سے الگ ہونا پڑا، کچھ دو لوگ اور کچھ میں بھی زیر بار مصارف ہوئے۔ مجھ پر قرض کا بار پڑا، جو اب تک کسی صورت سے ادا کر سکا ہوں، والحمد للہ، اس کے ساتھ بعض اہل علم کے حسد وعناد اور اصلاحی تحریک میں مخالفت کے آثار بھی پائے گئے جو بمصداق آیہ ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ صحیح ودرست تھے

یہاں پر "اہل حدیث کانفرنس" کا ذکر بھی بیجا نہ ہوگا، جو چند افراد کی جائداد ہو چکی ہے جسے بعض اشخاص نے اپنے نام و نمود کا واحد ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اس کا نہ کوئی جدید سکرٹری دستیاب ہو سکتا ہے، نہ نائب سکرٹری، اس میں سالانہ جلسہ اور چند معمولی غیر حقیقی جلسوں اور مدرسوں اور واعظوں کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا، سالانہ جلسہ میں کچھ باتیں پیش ہو کر سال بھر کے لئے پھر ختم ہو جاتی ہیں، باوجود عرصہ دراز کے اس نے کوئی معقول سکول مدرسہ یا عمل نہیں بنایا، نہ کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے جنہیں اسلامی درد و احساس ہو، جو جماعت کی اصلاح کا عزم کریں ۱۹۲۴ء میں جب ہم لوگ علی گڈھ سے دہلی آئے، تو انہوں نے "تنظیم اہل حدیث" کے نام سے ایک شاخ قائم کی، جس کا مقصود کانفرنس کے ماتحت جماعت کو منظم کرنا تھا، اس کے واسطے مجھے مجبور کیا گیا کہ میں سکرٹری بنوں، ہر چند معذرت کی، مگر قبول نہ ہوئی، میں نے کام شروع کیا کچھ عرصہ نہ گذرا کہ مولوی اور پنجابی تاجر دونوں گھبرا گئے کہ یہ تو نئی بات ہو گئی، ہر ایک اپنا اثر فنا ہوتے ہوتے دیکھنے لگا۔ اور یہ سمجھ بیٹھا کہ اگر یہ تحریک قائم ہو گئی، تو ہمارے منصب کو بہت بڑا صدمہ پہونچے گا، اور وہ وہ حرکات کیں، کہ جن سے کام کرنیوالے بددل ہو جائیں اور جب اس پر بھی نہ رہا گیا، تو مجھ سے کہلوایا کہ اس سے الگ ہو جاؤ، اس کی داستان طویل ہے، مگر خلاصہ یہ ہے کہ میں نے استعفار لکھکر یہ فیصلہ کر دیا کہ کانفرنس خود کام کرے میں بقدر وسع اس میں کام کر سکتا ہوں، بحالت موجودہ نہ الگ کام ہو سکتا ہے، نہ میں اس میں شرکت کر سکتا ہوں،

برادران دین یہ ایک ذرہ اور قطرہ ہے، اس دریائے ظلم و عناد حسد و شقاق کا جو اس امت بالخصوص اس جماعت میں ہے، جو حق و حقانیت اور اصلاح کے لئے اٹھی تھی، جس کا مقصد محض تبلیغ تھا، اب اس کی حالت یہ ہے کہ وہ اصلاح کی سب سے بڑی دشمن اصلاح کے نام سے سب سے زیادہ نفرت کرنیوالی جماعت ہے، اس میں بظاہر پیر پرستی و تقلید کی شکل بھی موجود ہے، صدر بازار میں مولوی عبدالوہاب ملتانی صاحب نے امامت کا دعوی کر کے خلق خدا کو وہ گمراہ کیا، کہ اس کی نظیر مبتدعین میں بھی نہیں مل سکتی یہ حضرت اپنے مقلدین سے کہتے ہیں کہ ایک کی تقلید کے بغیر چارہ نہیں، ان سے کہا گیا کہ پھر امام ابوحنیفہ

کی تقلید چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے، دوسرے حضرات نے امامت و سرداری کے ذریعہ اپنے نام کو بڑھانا چاہا، اور ظاہر نہ سہی تو باطن میں اپنا رسوخ قائم کرنے کی فکر کی، دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی، کفار و فجار ہر قسم کی ترقی کے لئے مستعد نظر آتے ہیں، مگر یہ مسلمان بجز ترقی معکوس کے کچھ نہیں کرتے، یہ ترقی معکوس کے ایسے شیدائی ہیں اور اس میں ایسے بدمست و مخمور ہیں کہ انہیں کوئی راہ حق و ترقی نظر نہیں آتی، پچھلے پیر پلٹتے جاتے، اور ذلت و ادبار جہل و حسد میں آگے بڑھتے جاتے ہیں، فیا اسفا و واحسرتاہ،

شاہ صاحب نے کیا کامیابی حاصل کی؟

بیان ماسبق سے بخوبی معلوم ہوچکا ہوگا کہ شاہ صاحب کیا چاہتے تھے، اور انہیں کس حد تک کامیابی ہوئی، اگرچہ انہیں وہ کامیابی نہیں نصیب ہوسکی، جو علامہ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ کو عرب کے خطہ میں حاصل ہوئی، اس کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ کہ شاہ صاحب نے صراحۃ کی جگہ کنایۃ اور اعلان کی جگہ اخفاء سے کام لیا، دوم شاہ صاحب قول سے عمل کے میدان میں نہ اتر سکے، وہ بہت سی رسومات کے بظاہر پابند تھے، اور اس قسم کی نرمی کو مفید مطلب خیال کرتے تھے، اگرچہ شاہ محمد اسمعیل شہید رحمۃ اللہ کے زمانہ سے اعلان و عمل کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا، مگر وہ بچند وجوہ ہندوستان میں استحکام کو نہ پہونچ سکا، ہم عنقریب **کتاب التوحید** کے مقدمہ میں اس اجمال کی تفصیل کرتے ہوئے یہ بتائیں گے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے کیا کیا اصلاح کی، اور ان کی کامیابی کا راز کس چیز میں مضمر تھا؟ بہر حال شاہ صاحب نے بہت کچھ اصلاح کی، اور ان کی اسکیم فی الجملہ کامیاب ثابت ہوئی، اگر اس کے حاملین صحیح طریقہ اختیار کرتے، اور کجروی و کج بحثی سے قوت و وقت ضائع نہ کرتے، تو آج ہندوستان کی حالت ہی دوسری ہوتی، اور مسلمان اس پستی و ادبار و کس مپرسی و افلاس میں نہ پائے جاتے، اس اصلاح کے حاملین کا حال تم سن چکے، اور سنو گے، یہ ان مردہ قبر پرست بدعت کے حامیوں سے بھی کمزور و بے حیثیت ہیں، ان کے احساس فنا ہوچکے، ان کی ایمانی قوت ہلاک و برباد ہوچکی، ان کی بزدلی حد کو پہنچ گئی، ان کی تباہی سامنے آچکی، اگر کسی زمانہ میں ظاہری حیثیت سے یہ متدین تھے، تو آج ان کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے، نہ تو وہ نماز و توحید ہے، نہ ظاہری وضع و لباس، اسے بھی آہستہ آہستہ چھوڑتے جاتے ہیں، تہجد و کسب حلال کا نام نہ لو، اگر یہی کیفیت باقی رہی تو کچھ دنوں

کے بعد یہ دھندلا سا نشان بھی ناپید ہو جائیگا، بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ ہندوستان برائے نام آزادی حاصل کرے گا، یہ باقی بھی فنا کر دیجائے گی، اس وقت ان نام نہاد موحدین کو بخوبی معلوم ہو جائیگا کہ کس طرح حق مٹا دیا جاتا ہے جو لوگ اپنی حالت کی کبھی اصلاح نہ چاہیں، برائیوں سے واقف ہو کر پھر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ پس پشت ڈالدیں، حق کی حمایت کے لئے کھڑے نہ ہو سکیں، اپنے مدارس اور اپنے رسوم کی اصلاح نہ کر سکیں، آپس میں بجائے اتحاد روز بروز اختلافات و نفاق بڑہاتے جائیں، دنیا کی معمولی عزت و ذلت کی پرواہ کریں، وہ اسلام کو کیا فائدہ پہونچا سکتے ہیں؟ اور ان سے اسلام کیا امید رکھ سکتا ہے؟ فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس کس پرسی کے عالم میں دینی کام انجام دینا آسان نہیں، مگر بندہ نے ہمیشہ سے اپنا نصب العین دین ہی رکھا، اور اللہ تعالیٰ سے یہ پختہ عہد کر لیا جو ہر مسلم کا فرض ہے کہ بحالت زیست و موت اسی پر رہوں اور کسی طرح راہ راست سے منحرف نہ ہو جاؤں، چونکہ عام تبلیغ کا آج کل اشاعت ہی واحد ذریعہ ہے اس لئے یہ عزم کیا ہے کہ چند مفید رسائل احیاء ملت و اظہار رشد و طریقت میں شائع کئے جائیں اس سلسلہ میں "کتاب التوحید" شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی مع ترجمہ و حواشی مطبع میں پہونچ چکی ہے، ایک رسالہ "الدعوۃ والارشاد الی سبیل رب العباد" جو کسی زمانہ میں مسودہ تھا، صاف کیا جا رہا ہے جس میں مسلمانوں کے تمام عیوب و امراض کے مفصل ذکر کے ساتھ طریق اصلاح و علاج بھی بتایا گیا ہے، اسی اثناء میں میرے محب قدیم مولوی ابو العلاء محمد اسمٰعیل صاحب گودھری سے آئے، جنہوں نے اصلاحی رسائل کا ایک بڑا ذخیرہ تیار کر رکھا ہے، مگر بازار میں اس کی مانگ نہیں اس لئے پڑا ہوا ہے، ان میں ایک چھوٹا سا رسالہ "شاہ ولی اللہ صاحب کے حالات" میں میری نظر سے گذرا میں نے اسے پسند کیا، کچھ ضروری ترمیم کے بعد حق تالیف حاصل کر کے اشاعت کے واسطے تیار کیا، چونکہ شاہ صاحب سے ہندوستان میں اصلاح کا سلسلہ جاری ہوا، اور یہ ہمارے علمی طریق کے مسلم استاد ہیں، لہٰذا ان کے حالات میں بہت کچھ اصلاح مضمر اور اس سے بیشتر عمدہ نتائج کی امید ہے،

عرصہ ہوا شاہ صاحب کے حالات بنام "حیات ولی" ایک ضخیم کتاب میں شائع ہوئے تھے، مگر اس کتاب میں شاہ صاحب کے خاندان کے حالات تین چوتہائی کتاب کو گھیرے ہوئے ہیں اور خاص ان کے حالات بہت مختصر، نیز اس میں ان کی اصلاحی اسکیم کا مطلقاً ذکر نہیں کیا گیا، جو در اصل

ضروری چیز ہے۔ مولوی ابو العلاء صاحب نے اس طرف خاص توجہ کی، اور "وصیت نامہ" درج کرکے اس پر کافی روشنی ڈالی ہے،

میرا خیال تھا کہ اصل کتاب میں مزید مباحث کا اضافہ ہو، شاہ صاحب کی تالیفات پر کافی تنقید کی جائے، مگر اسوقت قلت وقت، کثرت مشاغل، اور سرعت اشاعت سے یہ کام کسی دوسرے وقت کے لئے موقوف کیا، لہذا یہ چند سطور اصل مباحث کیطرف بطور اشارہ لکھنے میں آئیں، اگر دوبارہ اشاعت کا موقع ملا تو انشاء اللہ کتاب مکمل کرکے بجدید حیثیت میں پیش کی جائے گی،

اس اشاعت کی غرض وغایت اصلاح وارشاد خلق ہے، اگر اتفاقاً کسی جماعت کا نام آگیا، تو اس سے مقصود خود ہمارے عیوب ہیں اور بس، کسی کی تحقیر وتذلیل ہرگز مقصود نہیں، میری تمنا ہے کہ سب مسلمان بھائی اسے بغور پڑھیں، اور جلد از جلد جو ممکن اصلاح ہو اس کے انجام دینے کے لئے پوری سعی کریں، اس لئے کہ وقت بہت کم اور کام بہت زیادہ ہیں، اللہ تعالے ہم سب کو توفیق دے، اور ہم سے اپنی مرضی کے وہ کام لے، جو دنیا وآخرت کی نجات وترقی کے باعث ہوں، ہمارے عیوب کو اپنے لطف ورحمت سے مٹادے، اور ہم پر اپنا فضل وکرم فرمائے کہ ہم راہ راست پر آکر منزل مقصود پر پہونچ جائیں، اور دین ودنیا کی بھلائی، بہتری اور حیوٰۃ طیبہ حاصل کریں، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ.

ابو عبد اللہ محمد بن یوسف السورتی لطف اللہ بہ وکرم

۹ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۴۹ھ

قرول باغ دہلی،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی اصطفیٰ محمداً واجتباہ وجعلہ خاتم النبیین وجعل علماء امتہ کانبیاء بنی اسرائیل، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

امابعد:- اسلام عرب کے بے آب و گیاہ ریگستانوں سے نکلا، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دنیا کو مسخر کرلیا، مسلمان ایک طرف اقلیمیں فتح کرتے چلے جاتے تھے، تو دوسری طرف علوم و معارف کی بارش برساتے جاتے تھے، بغداد، بصرہ، اسپین، ٹیونس، الجزائر، شام و مصر کی تاریخیں اٹھاکر دیکھئے۔ مسلمانوں نے علوم و معارف کی کیسی کیسی چمن بندیاں کی ہیں، کسی اسلامی حکومت کی سرگذشت اٹھاکر دیکھئے، اس کے ہر دور میں علمبرداران علم و فضل ارباب علوم و فنون کا ایسا وسیع حلقہ نظر آئے گا کہ دوسری حکومتوں میں صدیوں کی سرگذشتیں بھی اس کی نظیر نہیں پیش کرسکیں گی، ہندوستان میں سب سے پہلے عربوں نے اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی لیکن عربوں کی حکومت ہندوستان کے ایک گوشہ پر تھی، اور وہ بھی مختصر مدت کے لئے، اس لئے عربوں کا اثر زیادہ تر ہندوستان کے صرف ایک گوشہ میں رہا، اس کے بعد جس قدر سلطنتیں ہند میں قائم ہوئیں، تمام عجمیوں کی تھیں، یہ عجمی لوگ علوم اسلامیہ کے چنداں ذوق شناس نہ تھے، تاہم ہندوستان کا کوئی گوشہ بھی اسلامی علوم کی گوہر باریوں سے محروم نہ تھا علوم و فنون کے ہر شعبہ کے ماہرین فن موجود تھے، علوم تفسیر و حدیث کے شاہسوار موجود تھے، تو اصول و فقہ، اور معقولات کے علمبردار بھی موجود تھے لیکن جامعیت علوم عقل و نقل ظاہر و باطن کے اعتبار سے دیکھا جائے، تو جو مقام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کو حاصل ہے۔ وہ کسی کو حاصل نہ ہوا۔

شاہ صاحب سے پیشتر فرداً فرداً ہر علم کے ماہر ہندوستان میں موجود تھے، تاہم یہ کہنا بالکل صحیح ہے

کہ ہندوستان کا سطح علم ہمیشہ پست رہا خصوصاً علوم کتاب وسنۃ تو ہندوستان میں ہمیشہ کس پرسی کی حالت میں رہے۔ زیادہ تر شغل فقہ احناف کا رہا، اور وہ بھی محض نقل وحکایت نہ بطور تحقیق واستنباط البتہ گیارہویں صدی ہجری میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحنے ہندوستان کو علوم کتاب وسنۃ کا ذوق شناس کیا، لیکن ان کے بعد پھر یہ علم گمنامی کی طرف رجعت کرتا رہا، بارھویں صدی ہجری میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے علوم کتاب وسنۃ کا علم قائم کیا، اور سرزمین ہند میں پھر اس سلسلہ کو جاری کردیا شاہ صاحب کو جو درجہ جامعیت علوم ظاہر وباطن کے اعتبار سے حاصل ہوا، وہ ہندوستان کے علماء میں کسی کو حاصل نہ ہوا، بارھویں صدی کے اس مجدد اعظم کی شان سب سے نرالی اور ارفع واعلیٰ ہے ہندوستان میں شاہ صاحب اور ان کے خاندان کا نام مشہور ہے، اور اس سرچشمۂ علم وفضل کا فیض نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر بھی دور دور پہونچا ہوا ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں جنہیں شاہ صاحب کے حالات زندگی کا علم ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس سرتاج علم وفضل سلطان علوم ومعارف، محقق کبیر، محدث جلیل فقیہ الاسلام، مجدد قرن اثنا عشر کے حالات قلمبند کریں، تاکہ علم وفضل کے قدردان اس کو اپنے لئے اسوۂ حسنہ بنائیں، ان کی تحقیقات سے استفادہ حاصل کرنے کی سعی کریں، اور ایسے جلیل القدر فاضل کے اعلےٰ کارناموں سے پوری طرح واقف ہوجائیں، چنانچہ یہ مختصر سی کتاب شاہ صاحب کے سوانح حیات پیش کرنے کے لئے ناظرین کرام کے ہاتھ میں ہے۔ کتاب کے آخر میں ہم شاہ صاحب کے اس وصیت نامہ کا ترجمہ بھی درج کردیں گے، جو انہوں نے اپنے دوستوں، اور مریدوں کے لئے فارسی میں لکھا تھا

آباؤ اجداد

شاہ صاحب کا سلسلہ نسب والد کی طرف سے حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطابؓ تک منتہی ہوتا ہے، اور والدہ کی طرف سے امام موسیٰ کاظم پر، اس لحاظ سے شاہ صاحب خالص عربی النسل اور نسباً فاروقی ہیں۔

تحقیقی طور پر معلوم نہیں کہ شاہ صاحب کے اجداد نے سرزمین عرب کو کب اور کیوں خیرباد کہا، لیکن نسب نامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطابؓ کے بعد پانچویں چھٹی پشت ہی میں افراد خاندان کے ناموں میں عجمیت آگئی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان دوسری

یا تیسری صدی ہجری میں عرب سے نکلکر عجم میں آباد ہو گیا، شاہ صاحب نے اپنے سلسلۂ نسب کو اپنے رسالہ امداد فی مآثر الا جداد میں یوں بیان فرمایا ہے

"سلسلۂ نسب این فقیر با میر المومنین عمر بن الخطاب میرسد باین طریق فقیر ولی اللہ ابن الشیخ عبد الرحیم ابن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین، عرف قاضی قاذن بن قاضی قاسم ابن قاضی کبیر الدین عرف قاضی بدہ، بن عبد الملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابو الفتح ملک بن محمد عمر حاکم ملک ابن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایون بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبد اللہ ابن محمد بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔

اس خاندان کے جو بزرگ سب سے پہلے ہندوستان آئے وہ شیخ شمس الدین مفتی ہیں، شیخ موصوف غالباً اسلامی حکومت کے آغاز میں ہی یہاں آگئے تھے، اور رہتک میں انہوں نے قیام اختیار کر لیا تھا رہتک اس وقت بڑا آباد اور پر رونق شہر تھا[1] شیخ شمس الدین مفتی علوم ظاہری اور باطنی کے جامع، اور بڑے باکمال صاحب کشف بزرگ تھے، شاہ صاحب اپنے رسالہ امداد میں فرماتے ہیں

"ایں بزرگ مرد عالم و عابد بودہ است داول کسے کہ از نژاد قریش دراں بلدہ در آمد و بسبب وے شعائر اسلام ظہور نمود، وطغیان کفر منطفی شد،"

شیخ شمس الدین نے رہتک میں ایک دینی مدرسہ بھی قائم کیا تھا، قرائن و آثار سے ایسا معلوم ہوتا ہے

---

(۱) رہتک ہانسی اور دہلی کے وسط میں ایک قدیم شہر ہے، جو دہلی سے تقریباً تینتس میل کے فاصلہ پر مغرب کی جانب واقع ہے، اسلامی فتوحات تاریخی عظمت و شان کے لحاظ سے رہتک ایک زبردست مقام ہے، اس زمانہ میں جو عروج اس شہر کو حاصل تہا ہندوستان کے کسی شہر کو حاصل نہ تہا، خاصکر اس صوبہ میں تو کوئی شہر و قصبہ اس کی وسعت، سرسبزی، رونق، شہرت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تہا، لیکن افسوس زمانہ کے تغیرات نے اس کے عروج کو پستی سے تبدیل کر دیا، اور اس کی تمام دلربا ئیاں، دلفریبیاں، تنزل و پستی کے غاروں میں پنہاں ہو گئیں، اور اب اسوقت جبکہ ۱۳۴۹ھ میں یہ کتاب ہم لکھ رہے ہیں، اس شہر کی حالت یہ ہے کہ ایک معمولی قصبہ ہے، جو نہایت قلیل آبادی پر مشتمل ہے۔ اس کی موجودہ ویرانہ حالی زبان حال سے اپنی گذشتہ عظمت و شوکت پر مرثیہ خوانی کر رہی ہے کہ افسوس کیا تہا، اور کیا ہو گیا،

ع خواب تہا، جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تہا،

کہ اس وقت رہتک وغیرہ میں حکومت کا یہ دستور رہا کہ شہر میں جو معزز صاحب کمال آدمی ہوتا، اسکو افتار وقضا، احتسابات وانتظام شہر کا کام سپرد کیا جاتا لیکن باقاعدہ قاضی یا محتسب کے نام سے موسوم نہ ہوتا تھا شیخ شمس الدین مفتی اسی قسم کے رہتک کے رئیس البلد تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے رسالہ امداد میں یہی لکھا ہے۔

ان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بیٹے شیخ کمال الدین مفتی ان کے جانشین ہوئے، اور شیخ کمال الدین کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ قطب الدین نے ان کی جگہ سنبھالی، اور ان کے بعد ان کے بیٹے شیخ عبد الملک[1] نے مسند ارشاد وافتار سنبھالی، شیخ عبد الملک کے زمانہ میں منصب قضا کا اس شہر میں باقاعدہ دستور ہو گیا، اور اس منصب کے لیے یہی خاندان مخصوص ہو گیا، شیخ موصوف کے بعد ان کے بیٹے قاضی کبیر الدین عرف قاضی بدہ اس منصب جلیل پر فائز ہوئے، ان کے بعد ان کے بیٹے قاضی قاسم، اور ان کے بعد ان کے بیٹے قاضی عبد القادر یا قوام الدین، عرف قاضی قاذن یکے بعد دیگرے اس منصب پر فائز ہوئے اور رئیس البلد کے اہم امور انجام دیتے رہے۔

خواص وعوام میں یہ خاندان بڑے احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، اور منصب قضا، اس خاندان میں موروثی ہو جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان کا ہر فرد علم وفضل کا منبع تھا،

قاضی قوام الدین کے بیٹے شیخ محمود نے بعض اسباب کی بنا پر منصب قضا کو ترک کر دیا، اور سپاہیانہ زندگی بسر کر لی، لیکن مشاغل کے تغیر سے خاندان کی شہرت، علم وفضل میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا، بلکہ ہر فرد اپنے

---

(۱) شیخ عبد الملک بڑے زبردست آدمی تھے قرآن حکیم سے ان کو بڑی دلبستگی تھی، اکثر اوقات تلاوت میں مشغول رہتے، جب ارادتمندوں کا اجتماع ہوتا، وعظ وتلقین فرماتے، قرآن حکیم کے رموز واسرار اس اسلوب سے بیان فرماتے اکہ سامعین تڑپ اٹھتے، کتاب وسنۃ کی حکمتوں سے آپ کا وعظ معمور رہتا، آپ کا وعظ اکثر وبیشتر اسلام اور توحید کے ارکان پر مشتمل ہوتا، آپ چاہتے تھے کہ توحید کی وہ زبردست عمارت، جو آپ کے جد امجد شیخ شمس الدین مفتی نے تعمیر کی تھی، اس کو مستحکم کیا جائے، اور جس طرح بھی ممکن ہو، شرک وبت پرستی کی بیخ کنی کر دی جائے اور وہ تمام بدعات ورسومات جو مسلمانوں میں ہندوؤں کے اختلاط سے رائج ہو گئی ہیں، مٹا دی جائیں، اور خدا کی اس زمین پر خالص خدا ہی کی شریعت رائج ہو جائے، شیخ عبد الملک نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا، اور نہایت بلند ہمتی سے تجدید امت کا علم بلند کیا لیکن افسوس کہ عمر طبعی تک پہونچنے سے پہلے ہی عین عالم شباب میں وفات کر گئے، اور تمام بڑی بڑی اسکیمیں جو اُن کے سینہ میں تھیں، اپنے ہمراہ لے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آباد اجداد کی اس مقدس وراثت کو بہتر سے بہتر طریق پر محفوظ رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتا رہا
شیخ محمود کی شادی سونی پت کے ایک سادات گھرانے میں ہوئی تھی، اور اس سیدزادی کے
بطن سے شیخ احمد پیدا ہوئے۔ شیخ احمد صغرسنی ہی میں رہتک سے سونی پت پہونچے، اور شیخ عبدالغنی
ابن شیخ عبدالحکیم کے یہاں نشوونما پائی، شیخ عبدالغنی نے بہترین طریق پر مدت تک ان کی تعلیم وتربیت
میں کوشش کی، جوان ہونے کے بعد شیخ احمد رہتک آئے، اور بیرون قلعہ ایک عالی شان عمارت
تعمیر کرائی اور اپنے خاندان کے تمام افراد کو اس میں جگہ دی،

شیخ احمد کے بیٹے منصور اور ان کے پوتے شیخ معظم بھی علم وفضل میں بڑا پایہ رکھتے تھے، لیکن ان
کی شہرت زیادہ تر سپاہیانہ کارناموں پر مبنی ہے وہ ساری عمر لڑائیوں اور سپاہیانہ جنگوں میں مشغول
رہے۔ تذکروں میں ان کی شجاعت وبسالت کے عجیب وغریب واقعات مذکور ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب
نے رسالہ امداد میں لکھا ہے کہ شیخ منصور ایک لڑائی میں کسی راجہ کے مقابلہ میں نکلے اور شیخ معظم کو
لشکر کے میمنہ کی سرداری دی شیخ معظم کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی، جب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔
اور دونوں طرف سے بے شمار آدمی قتل ہوئے، یکایک کسی نے آکر شیخ معظم سے کہا کہ آپ کے
والد نے جام شہادت نوش فرمالیا، اور لشکر تمام تتر بتر ہوگیا، یہ سنکر شیخ معظم کی رگ غیرت میں جنبش پیدا
ہوئی، اور محاذ جنگ کیطرف چل کھڑے ہوئے، اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے راجہ کے ہاتھی کے
قریب جا پہونچے، اور راجہ کے تمام محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، یہ دیکھ کر کفار ہجوم کی صورت
میں ان پر حملہ آور ہوئے، راجہ نے سب کو روکا، اور کہا خبردار اس کو ہاتھ نہ لگانا، اس قدر کم سنی میں
یہ شجاعت ودلیری ایک تعجب خیز امر ہے، شیخ معظم کو اس نے اپنے پاس بلایا، اور ان کے ہاتھ چومے
اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ دریافت کیا کہ آپ اس قدر غضبناک کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب
دیا مجھے خبر ملی ہے کہ میرے والد کو تمہاری فوج نے شہید کر ڈالا ہے۔ اس لئے میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے
کہ میں حملہ کروں گا، اور اس وقت تک واپس نہ لوٹوں گا جب تک کہ راجہ کو قتل نہ کردوں یا خود شہید نہ ہو
جاؤں، راجہ نے کہا یہ خبر غلط ہے آپ کے والد زندہ ہیں، اور وہ سامنے ان کا نشان نظر آرہا ہے۔
راجہ نے فوراً شیخ منصور کے پاس آدمی بھیجا، اور کہلوایا کہ آپ کے لڑکے کی خاطر ہم آپ سے صلح کرتے
ہیں، اور جو شرائط بھی آپ پیش کریں منظور ہیں، چنانچہ صلح ہوگئی، اور ہر دو لشکر اپنے اپنے مقامات کو

واپس لوٹے

شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین

شیخ معظم کے بیٹے شیخ وجیہ الدین شاہ ولی اللہ صاحب کے دادا ہوتے ہیں[1]، یہ بڑے عالم،
صاحب حال بزرگ تھے، شاہ صاحب نے اپنے والد کی روایت سے امداد میں لکھا ہے کہ شیخ وجیہ الدین
روزانہ بلا ناغہ قرآن حکیم کے دو پارے امعان نظر کے ساتھ تلاوت کرتے، سفر و حضر صحت و مرض میں
کبھی ناغہ نہ کرتے، جب بصارت میں کچھ ضعف آگیا، تو ایک جلی حروف کا قرآن مجید انہوں نے اپنے لئے خاص
کرلیا، اور کبھی اس کو اپنے پاس سے علیحدہ نہ کیا، نماز تہجد کے سخت پابند تھے کبھی ناغہ نہ کرتے۔

شیخ وجیہ الدین کی شہرت بھی اپنے باپ اور دادا کی طرح زیادہ تر جنگی کارناموں کی وجہ سے ہوئی
بڑی بڑی لڑائیوں میں شیخ موصوف نے شرکت کی، ورع و تقوی کا یہ حال تھا کہ جب لشکر لے کر کسی طرف
جاتے تو زراعت وغیرہ کو برباد نہ ہونے دیتے، گو اس کے لئے کتنی ہی مشقت کیوں نہ برداشت کرنی پڑے
ان کی شجاعت و جوانمردی کے بڑے بڑے کارنامے مشہور ہیں، جب اورنگ زیب عالمگیر جلوہ آرائے
سلطنت ہوا تو اورنگ زیب کے بھائی شجاع الدولہ نے بنگال میں علم بغاوت بلند کیا، اورنگ زیب نے
بغاوت فرو کرنے کا تہیہ کرلیا، موضع کھجوہ کے قریب بڑا زبردست معرکہ ہوا، اس جنگ میں شیخ وجیہ الدین
اورنگ زیب کے لشکر کے سرداروں میں تھے، دونوں لشکروں میں اس قدر گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ کشتوں کے
پشتے لگ گئے، آخر میں شجاع الدولہ کے لشکر سے دو تین مست ہاتھی اورنگ زیب کے لشکر پر چھوڑے
گئے، ان ہاتھیوں نے وہ اودھم مچائی کہ اورنگ زیب کے لشکر میں بے دلی پھیل گئی، اور وہ بھاگ کھڑی
کہ اورنگ زیب عالمگیر کے ارد گرد بھی بجز چند نفر کے کوئی نہ رہا، اس نازک وقت میں شیخ وجیہ الدین آگے
بڑھے، اور بآواز بلند فوج کو للکارا، کہ یہ وقت جان دینے کا ہے، نہ بھاگنے کا، اور پھر بھی کسی کو بھاگ
جانا ہے تو میری طرف سے اجازت ہے، لیکن یہ جوانمردی کے خلاف ہے، سوائے چار جوانمردوں کے

---

(۱) شیخ وجیہ الدین کی شادی شیخ رفیع الدین محمد بن قطب عالم بن شیخ عبد العزیز کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی، اس کے بطن سے تین فرزند ہوئے، شیخ ابو الرضا محمد، شیخ عبد الرحیم، شیخ عبد الحکیم، ان سب سے ہر ایک علم و فضل کا علمبردار تھا لیکن ان سب میں شیخ عبد الرحیم کا پایہ علم بڑا زبردست تھا، اور شیخ وجیہ الدین کو ان سے بہت زیادہ محبت تھی، اور رئیس سلطان العلوم جس کا نام شاہ ولی اللہ ہے اسی شیخ عبد الرحیم کا بیٹا ہے۔

تمام سرداروں نے ساتھ چھوڑ دیا، ان چار سرداروں کو ساتھ لیکر شیخ وجیہ الدین آگے بڑھے، اور ان مست ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے، سب سے پہلے اس ہاتھی کی طرف لپکے، جو سب سے زیادہ شریر تھا، ہاتھی نے چاہا کہ شیخ کو گھوڑے سے اٹھا کر زمین پر دے مارے، سونڈھ کا بڑھانا تھا کہ شیخ نے شمشیر کا وار کیا، وار ایسا کاری لگا کہ سونڈھ کٹ کر رہ گئی، اور ہاتھی چیختا ہوا میدان سے بھاگا، ہاتھی کا بھاگنا تھا کہ شجاع الدولہ کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی، اور عالمگیر کو زبردست فتح نصیب ہوئی، عالمگیر نے خود یہ تماشہ دیکھا، اور شیخ وجیہ الدین سے بہت خوش ہوا، اور اپنے ہاتھ سے شیخ وجیہ الدین کی کمر میں تلوار باندھی، عالمگیر نے ہرچند چاہا کہ شیخ کے منصب میں ترقی کی جائے لیکن شیخ نے اس سے انکار کر دیا،

آخر عمر میں شیخ وجیہ الدین سیواجی کی چیرہ دستیوں کی داستانیں سنکر جہاد کے شوق میں دکن کیطرف تشریف لے گئے لیکن راستہ میں رہزنوں سے مقابلہ ہوا، اور اسی میں شہید ہو گئے، تاریخ میں آج تک شیخ وجیہ الدین شہید کا نام زندہ ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

شاہ صاحب کے والد

شاہ صاحب کے والد شیخ عبدالرحیم ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے، کنیت ابوالفیض رکھتے تھے، ایام طفولیت گذار کر جب کچھ سمجھدار ہوئے، تو اپنے والد شیخ وجیہ الدین سے قرآن مجید پڑھا، اس کے بعد صرف ونحو کی کتابیں دیکھیں، اکبرآباد میں مرزا محمد زاہد ہروی سے بھی تعلیم حاصل کی، گیارہ برس کے ہوئے تو فقہ و حدیث کی تعلیم میں قدم رکھا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان علوم کی تکمیل کر لی، اور بہت چھوٹی عمر میں علوم وفنون کے بحر مواج ہو گئے اور اپنے تمام معاصروں کو پیچھے ڈالدیا، شاہ ولی اللہ صاحب ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص بھی نہیں دیکھا، جو عام علوم میں عموماً اور فقہ و حدیث میں خصوصاً ان جیسا تبحر رکھتا ہو، تعلیم سے فراغت پائی تو مشتاقان علم جوق در جوق آکر آپ سے کسب فیض کرنے لگے، اور جس طرح دہلی ہندوستان کا مرکز ہے، شیخ عبدالرحیم علوم وفنون کا مرکز بن گئے، دور دور از ممالک سے

مشتاقان علم وفن آتے، اور اس بحر العلوم سے فیض حاصل کرتے، اسی اثنار میں شیخ موصوف نے علوم باطنی کی طرف توجہ کی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں بہت باکمال بزرگ بن گئے کبھی کبھی آپ شعر بھی کہتے تھے تذکروں میں آپ کی رباعیاں دیکھی جاتی ہیں، فتاوی عالمگیری کی ترتیب کے زمانہ میں اسپر نظر ثانی اور اصلاح کی ضرورت پیش آئی، تو آپ ہی کے ذمہ یہ خدمت سپرد ہوئی، اور نہایت عمدگی سے آپ نے اسکی اصلاح کی، اور خود عالمگیر نے آپ کی اصلاح کو پسند کیا، شیخ صاحب موصوف بڑے خوددار مستغنی المزاج صاحب قناعت شخص تھے، طبیعت میں عاجزی، انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی، علما وصلحا کی بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے، خودداری واستغنامزاجی کے ساتھ عاجزی سونے پر سہاگے کا کام کرتی تھی جس نے ایک مرتبہ آپ سے ملاقات کرلی، جان ودل سے آپ کا گرویدہ ہوگیا، عام طور پر اکثر مسائل میں فقہ حنفی پر شیخ کا عمل تھا، لیکن جو مسائل حدیث کی رو سے ان کے نزدیک مرجح تھے، انپر فقہ حنفی کے خلاف عمل کرتے تھے، جس طرح کہ محقق علمار کا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے، مثلاً آپ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھا کرتے اور نماز جنازہ میں بھی کبھی آپ نے سورہ فاتحہ ترک نہیں کی

شیخ موصوف نے اس مقام پر جو مہندیوں کے نام سے مشہور ہے، ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، جو ان کے نام پر مدرسہ رحیمیہ کے نام سے مشہور ہوا ۱۱۳۱ھ میں، ۷۷ سال کی عمر میں جب پیام اجل پہونچا، تو آپ اپنے اعمال عزیہ کی تکمیل کر کے جوار الہیٰ میں جانے کے لئے تیار بیٹھے تھے، انتقال کے بعد مہندیوں میں مسجد کے جنوبی گوشہ میں آپ مدفون ہوئے، جہاں مدرسہ رحیمیہ قائم تھا، آج وہاں نہ مدرسہ ہے، نہ کوئی آبادی، البتہ ایک بوسیدہ مسجد ہے جس کے جنوبی گوشہ میں شیخ کے خاندان کے لوگ قبروں میں سوئے پڑے ہیں، اور گرد ایک بڑا قبرستان ہے جس میں صدہا مسلمان مدفون ہیں،

شاہ صاحب کی ولادت

شاہ ولی اللہ صاحب ۱۱۱۴ھ میں شوال کی چوتھی تاریخ کو چہارشنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت بطن مادر سے عالم شہود میں آئے، آپ کا تاریخی نام عظیم الدین رکھا گیا، بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ صاحب کے والد ایک موقع پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے مزار کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، دوران زیارت میں آپ کو اشارہ ہوا کہ عنقریب تمہارے ہاں ایک فرزند پیدا ہوگا، اسکا نام

تم قطب الدین احمد رکھنا شیخ عبدالرحیم کی اہلیہ شباب کے تمام مراحل طے کر کے زمانہ یاس تک
پہونچ چکی تھیں، اس لئے شیخ موصوف کو گمان ہوا کہ یہ اشارہ بیٹے کی طرف نہیں، بلکہ، پوتے کی
طرف ہے، لیکن اس واقعہ کے چند روز بعد شیخ موصوف نے شیخ محمد کی صاحبزادی سے عقد کیا اور
اس خاتون نیک سیرت کے بطن سے شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے، اور وہ بشارت یوں پوری ہوئی۔
بوارق المعرفہ میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالرحیم زندگی کے ساٹھ مرحلے طے کر چکے تھے، تو ان کو الہام ہوا کہ
کہ تقدیر الٰہی اس پر جاری ہوئی ہے کہ تمہارے یہاں ایک بلند اقبال ہونہار لڑکا پیدا ہوگا، جسکی شہرت
کا ستارہ اوج عروج پر پہونچکر شہاب ثاقب کی طرح چمکے گا، اور جس کے اقبال اور کمال علم کا آفتاب
نصف النہار تک جا پہونچے گا، اس بشارت کے بعد آپ نے شیخ محمد کی صاحبزادی سے عقد کیا، شاہ صاحب
خود لکھتے ہیں کہ میری ولادت سے پہلے میرے والدین اور بعض دیگر بزرگوں کو میرے متعلق بہت سی بشارتیں
ہوئیں، شیخ عبدالرحیم نے غالباً انہیں بشارتوں کیوجہ سے بیٹے کا نام ولی اللہ رکھا، چند روز کے بعد خواجہ
قطب الدین کے مزار والی بشارت یاد آئی، تو قطب الدین احمد نام رکھدیا، لیکن آج اس نام کو کوئی
جانتا بھی نہیں، اور ولی اللہ آفتاب جہاں تاب کیطرح آسمان شہرت پر جلوہ گر ہے۔

ایام طفولیت اور تعلیم

عہد طفولیت کے متعلق زیادہ حالات معلوم نہیں، ان کے والد شیخ عبدالرحیم دنیاوی لحاظ
سے متوسط طبقہ کے آدمی تھے، اس لئے معاش کی جانب سے اطمینان کی صورتیں موجود تھیں، اسلئے
شاہ صاحب کو کسی مالی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا، طبیعت میں شروع ہی سے سادگی تھی، کبھی کسی بات
کی خواہش نہ کرتے جس قسم کا لباس مل گیا پہن لیا، جس قسم کا کھانا ملا کھا لیا، بچپن میں ان کی تمام حرکتیں
اتنی محبوب و دلفریب تھیں کہ ہر شخص ان کا شیفتہ تھا، پانچ برس کے ہوئے تو مکتب میں قرآن مجید پڑھانے
کے لئے بیٹھائے گئے، ساتویں سال قرآن مجید ختم کر لیا، اسی سال ان کے والد بزرگوار نے ان کو نماز
کے لئے کھڑا کیا، اور روزے کی تلقین فرمائی، اور اسی سال فارسی کی درسی کتابوں کی تعلیم شروع کی،
ایک ہی سال میں فارسی کی تعلیم مکمل کر لی، اور صرف و نحو کیطرف متوجہ ہوئے، دس برس کی عمر میں شرح
ملا جامی تک جا پہونچے، اس کے بعد معقول کی کتابیں شروع کیں، اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان سے فرصت

پائی، پندرہ سال کی عمر میں تمام مستداولہ درسی علوم کی تکمیل کرلی، اور چھوٹی سی عمر میں ارباب فضل و کمال کے زمرہ میں شامل ہوگئے، شاہ صاحب کی تعلیم اکثر اپنے والد بزرگوار کے پاس ہوئی، اور جو کچھ اپنے والد سے اکتساب علم کیا اس کے متعلق شاہ صاحب خود بیان فرماتے ہیں۔

علم حدیث مشکوٰۃ شریف۔ تمام و کمال لیکن چند روز کی علالت کی وجہ سے کتاب البیع سے کتاب الآداب تک کا حصہ نہ پڑھ سکا، صحیح بخاری شروع سے کتاب الطہارۃ تک، شمائل النبی اول سے آخر تک۔

تفسیر تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک کے کچھ حصّے باقاعدہ پڑھے، اور باقی حصّوں کا خود مطالعہ کیا،

علم فقہ۔ شرح وقایہ پوری، ہدایہ کی دو جلدیں، صرف تھوڑا سا حصّہ چھوڑ دیا گیا،

اصول فقہ۔ حسامی، اور توضیح و تلویح۔

منطق۔ شرح شمسیہ کامل، اور بعض مختصرات

کلام۔ شرح عقائد کامل، شرح خیالی اور شرح مواقف کے کچھ حصّے۔

تصوف و سلوک۔ عوارف المعارف کا بڑا حصہ، اور رسائل نقشبندیہ۔

علم حقائق۔ شرح رباعیات، لوائح، مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص

خواص اسماء و حقائق۔ والد صاحب کا ترتیب دیا ہوا مجموعہ۔

ان کے علاوہ طب، حکمت، نحو معانی، ہندسہ، حساب وغیرہ کی بھی بعض کتابیں پڑھیں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں اس قدر فراخی اور وسعت ہوگئی کہ ہر فن کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل ادنیٰ توجہ سے حل ہوجاتے تھے،

عقد نکاح

شاہ صاحب کی عمر جب چودہ سال کی ہوئی، تو آپ کے والد بزرگوار نے آپ کی شادی کے لئے سلسلہ جنبانی کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ صاحب کی سسرال کے لوگ ضروری سامان بہم نہ پہنچنے کی وجہ سے کسی قدر تاخیر کے خواہاں تھے لیکن شاہ صاحب کے والد کو اصرار تھا کہ کسی نہ کسی طرح ہی نکاح ہوجائے وہ فرماتے تھے کہ اس عجلت و اصرار کی وجہ اور حکمت بعد میں ظاہر ہوگی، چنانچہ شیخ صاحب موصوف کی خواہش کے بموجب شاہ صاحب کے سسرال کے لوگ شادی کے لئے رضامند ہوگئے، شادی ہوجانے

کے بہ چند ہی روز میں شاہ صاحب کی خوشدامن کا انتقال ہوگیا، پھر چند ہی روز کے بعد خوشدامن کی والدہ کا انتقال ہوگیا، اور اس سے چند روز کے بعد شاہ صاحب کے ماموں شیخ فخر الاسلام رحلت فرما گئے۔ بعد ازاں شاہ صاحب کی علاتی والدہ وفات پا گئیں، اور آخر میں شیخ عبدالرحیم عرصہ تک سخت بیمار رہے۔

استغراق علمی

علوم درسیہ فارغ ہونے کے بعد شاہ صاحب نے نہایت تحقیق و کاوش سے کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا، اور انتہائی انہماک و استغراق کے ساتھ رات دن کتب بینی میں مشغول رہے، یہ استغراق و محویت کا زمانہ ایسا تھا کہ شاہ صاحب کھانا بھی کم کھاتے اور آرام بھی کم کرتے، اور سارا وقت صحبت کتب میں صرف کرتے۔

شاہ صاحب کے والد شیخ عبدالرحیم نے چودھویں ہی سال ان کے سر پر دستار فضیلت باندھ دی تھی، اور اس مبارک تقریب میں ایک زبردست عالی شان جلسہ کیا تھا جس میں وقت کے اکثر مشائخ قاضی، فقہا، علما، صلحا، شریک تھے، شاہ صاحب نے شب و روز کے مطالعہ سے اپنے اندر علوم و معارف کے دریا بھر لئے۔ اور تمام ہمعصروں سے آگے نکل گئے، اور علوم باطنی میں بھی بڑا کمال پیدا کر لیا،

آپ کے تحصیل علم کی سند اپنے والد کے ذریعہ سے زاہد بن اسلم ہروی کے طریق پر محقق دوانی تک پہونچتی ہے، کتب حدیث آپ نے دو مرتبہ پڑھیں پہلی مرتبہ ہندوستان میں مولانا محمد افضل معروف بحاجی سیالکوٹی سے۔ اور پھر ۱۱۴۳ھ میں مدینہ منورہ پہونچکر ابو طاہر مدنی سے جو اپنے وقت کا یکتائے روزگار مشہور محدث تھا، ابو طاہر شاہ صاحب پر ہمیشہ فخر کیا کرتے کہ ولی اللہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے ہیں، اور میں ان سے معانی کی۔

بیعت

شاہ صاحب کے والد شیخ عبدالرحیم جس طرح علوم ظاہری میں یکتائے زمانہ تھے۔ علوم باطنی میں بھی زبردست پایہ رکھتے تھے، جب شاہ ولی اللہ کی عمر چودہ برس کی ہوئی، اور علوم درسیہ فراغت

پالی، توآپکے والد نے آپ کو علوم باطن کی طرف توجہ دلائی، اور پندرہویں برس میں اپنے ہاتھ پر بیعت لی۔ اور شاہ صاحب اشتغال صوفیہ میں مشغول ہوئے خصوصًا نقشبندیہ میں کہ تمام طرق صوفیہ میں یہ طریقہ بدعات متاخرین سے پاک وصاف ہے، دو تین سال کے عرصہ میں اس میں کمال پیدا کر لیا۔ اور سترہویں سال آپکے والد نے آپ کو بیعت وارشاد کی اجازت دیدی، اور اسی سال آپ کے والد بزرگوار شیخ عبدالرحیم نے سفر آخرت اختیار کیا، اور درس وارشاد کی مسند اپنے اس بلند اقبال نوجوان بیٹے کے لئے خالی کر دی۔

درس و تدریس

ہندوستان میں اس وقت فقہ و تصوف اور معقولات کا بہت رواج تھا کتاب وسنۃ کا چرچہ بالکل کم تھا، گیارہویں صدی ہجری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایک ایسے بزرگ گذرے تھے جنہوں نے حدیث کی اشاعت درس وتدریس تصنیف وتالیف کے ذریعہ کی، ان کی کتابیں ابتک مقبولیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں شیخ عبدالحق کی وفات کے بعد کتاب وسنۃ کا چرچہ کم ہوگیا، اور خاص وعام پیر پرستی اور صدہا قسم کے بدعات وتوہمات میں مبتلا ہوگئے، شاہ صاحب نے اس سلسلہ کی پھر تجدید کی، اور نہ صرف تجدید ہی کی بلکہ اس کے کنگورے آسمان تک پہونچا دیئے، اور قوم میں کتاب وسنت کا حقیقی ذوق پیدا کر دیا، مسائل فقہیہ مذاہب اربعہ کی تحقیقات، مذاہب تابعین اور اقوال فقہائے محدثین کے مطابق کر کے فقہ حدیث کی صحیح بنیاد رکھی، اسرار حدیث مصالح احکام کو اس عمدگی سے پیش کیا کہ ان سے پیشتر کے مصنفین کو یہ بات بہت کم نصیب ہوئی، عقائد، تصوف وسلوک میں محققانہ تقریریں کیں، اور اس فن کو صوفیائے متاخرین کی بدعات وخرافات سے پاک وصاف کر کے صوفیائے حقائق کے طریق پر تاسیس کی۔

غرض! شاہ صاحب نے درس وتدریس تصنیف وتالیف کے ذریعہ ہندوستان میں علوم و معارف کے دریا بہا دیئے۔ اور وہ زبردست کام کیا، کہ اس سے پیشتر بہت کم لوگوں کو اس کی توفیق میسر آئی ہوگی، آپ کی یہی زبردست علمی خدمات اور مجتہدانہ تحقیقات تجدید علوم کی فرمازوائی تھی جس کی بنا پر نواب صدیق حسن خان مرحوم کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے، کہ "اگر وجود او در صدر اول

درزمانہ ماضی می بود، امام الائمہ وتاج المجتہدین شمردہ می شد!

علامہ ابو الطیب شاہ صاحب کی نسبت لکھتے ہیں کہ "انصاف کی بات یہ ہے کہ اس مقدس اور پاک نفس کا عزیز وجود اگر گذشتہ زمانہ میں ہوتا تو تمام مجتہدوں کا پیشوا اور مقتدا مانا جاتا، بلکہ ان کا سر تاج بنایا جاتا، اور امام الائمہ کا وزنی اور قیمتی خطاب پاتا، صاحب سیر الآحیا نے بھی شاہ صاحب کی نسبت ایک زبردست ریویو لکھا ہے جس میں شاہ صاحب کے یکتائے روزگار مجتہد عصر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے علماء نے آپ کی نسبت اسی قسم کے پرزور ریمارک کیے ہیں، اور آپ کو خاتم المحدثین امام المفسرین کا تمغہ دیا ہے، شاہ صاحب کے تمام ہمعصر علماء و فضلاء آپ کو اس مقدس خطاب سے یاد کرتے تھے، اور امام فن، مجتہد وقت تسلیم کرتے تھے،

والد بزرگوار کے انتقال کے بعد شاہ صاحب مستقل طریق پر مسند درس پر رونق افروز ہوئے۔ اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا، آپ کے علم و فضل کمالات ظاہری و باطنی کا شہرہ دور دور پہونچ چکا تھا، ہر طرف سے تشنگان علوم و معارف جوق در جوق آتے اور زانوئے ادب بچھاتے۔ قریب قریب بارہ سال تک آپ نے یہ خدمت نہایت محویت و استغراق کے ساتھ انجام دی، طبیعت کو کتاب و سنہ سے بڑی وابستگی تھی، اس لئے درس و تدریس زیادہ تر انہیں علوم سے متعلق تھی شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے حدیث کی ترویج کی بنا ڈالی تھی، شاہ صاحب نے اس کی دیواروں کو آسمان تک پہونچا دیا، اس کی تکمیل کی، اور ہندوستان میں کتاب و سنہ کا حقیقی ذوق پیدا کر دیا۔

مصروفیت

شاہ صاحب کی تاریخی زندگی عجیب و غریب ہے، آپ اپنے فرائض منصبی کو نہایت آزادی اور مستعدی جوانمردی سے انجام دیتے، رات و دن کے اکثر حصے کتاب و سنت اور علوم دینیہ کے مطالعہ اور درس و تدریس میں صرف ہوتے، اور بیش قیمت وقت ترویج کتاب و سنت میں صرف ہوتا۔ آپ نے یہ عزم صمیم کر لیا تھا کہ سرزمین ہند میں کتاب و سنت کا علم ایسا مضبوط گاڑ دیا جائے کہ ہمیشہ کے لئے کبھی سرنگوں نہ ہونے پائے۔ علوم ظاہر و باطن کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر کستے، اور حق کو حق اور باطل کو باطل کر کے ارادتمندوں کے سامنے پیش کرتے۔

آپ کی علمی فیاضیوں، اور عظمت وجلالت کی دلربائیوں کی شہرت دور دور پہونچ چکی تھی، اس لئے دور دراز ممالک سے شائقین علم ومعارف آتے، اور آپ کے حلقہ درس میں شامل ہو کر علمی برکتیں سمیٹتے، شب وروز میں بہ مشکل کوئی ایسا وقت ملتا جس میں آپ کے گرد پروانہ ہائے کتاب وسنۃ اور علماء وفضلا کا جمگھٹا نہ ہوتا، تمام دن ارباب علم وفضل کا تانتا بندھا رہتا، ایک طرف سائلوں مستفتیوں کا جم غفیر ہوتا تو دوسری طرف تشنگان علوم ومعارف اور ارادتمندان اخلاص کا گروہ شوق طلب میں گردنیں جھکائے بیٹھا ہوتا، ایک طرف درس وارشاد کا سلسلہ جاری ہوتا تو دوسری طرف افتا رکا، سائلوں کو اس قدر مدلل جواب دیتے کہ انہیں پوری تسکین ہو جاتی بعض اوقات طلبہ اور سائلوں کا ہجوم شور وغل طبیعتوں کو پریشان کر دیتا لیکن اس تاجدار علم وفضل، علمبردار محاسن واخلاق کا یہ حال تھا کہ تحمل وبردباری کی زبردست چٹان بنکر اپنی جگہ بیٹھا رہتا، اور نہایت صبر واطمینان سے ہر گروہ کو مطمئن کر دیتا، آپ کی مقدس ذات کا یہ فیضان تھا کہ نہ صرف دہلی بلکہ ہند کے گوشہ گوشہ میں علوم ومعارف حدیث وتفسیر کا چرچا ہو گیا، اور علوم کتاب وسنت کے اس دریا سے بے شمار نہریں کٹ کٹ کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ کو سیراب کرنے لگ گئیں، اور کتاب وسنت کی عطر بیزیوں نے تمام ہندوستان کو معطر کر دیا، دیکھنے والے بڑے وثوق سے کہتے تھے کہ عنقریب وہ تاباں ودرخشاں وقت آنے والا ہے کہ شاہ صاحب کے لگائے ہوئے درخت کے سایہ میں تمام دنیا بسیرا کرے گی۔

ترجمۃ القرآن

کتاب وسنت کی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ آپ روزانہ کچھ نہ کچھ قرآن حکیم کا ترجمہ بھی فارسی میں کر لیا کرتے اس طرح کچھ عرصہ میں پوری قرآن کا ترجمہ کر لیا جو فتح الرحمن کے نام سے موسوم ہوا، قرآن حکیم کا جو ترجمہ شیخ سعدی کی طرف منسوب ہے، اور جس کی نسبت میں اہل تحقیق کو شبہ ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے، تو پوری تاریخ ہند میں قرآن حکیم کا یہ پہلا ترجمہ ہے۔ جس کے لئے خدائے قدوس نے شاہ صاحب کا سینہ کھولا۔ اور اس کے بعد ترجمۃ القرآن کی بنا پڑی، ارباب علم وفضل کے نزدیک فتح الرحمن کے پایہ کا کوئی ترجمہ نہیں۔ اس کے بعد شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر صاحب نے قرآن حکیم کا اردو میں ترجمہ کیا جو ارباب علم وفضل کے یہاں مقبول ہوا لیکن شاہ ولی اللہ کا ترجمہ اور ہی چیز ہے، اور الفضل للمتقدم کا

سہرا تو شاہ ولی اللہ صاحب ہی کے سر پر ہے

فتنہ علما سوء اور سفر حج

دنیا میں علما سوء کا گروہ ہمیشہ خطرناک رہا ہے اور رہے گا، جہاں کسی صاحب علم وفضل کو خدائے قدوس نے رجعت خلق کی نعمت عظمی عطا فرمائی، یہ خطرناک گروہ اس کے پیچھے پڑ گیا، رجعت خلق اللہ تعالی کا فضل و انعام ہے اور وہ جسے چاہے اپنے فضل وانعام سے سرفراز فرمائے لیکن علما سوء کو کسی کی مقبولیت بھاتی نہیں نفس امارہ کی پیروی میں ہر جائز وناجائز حربہ تلاش کر لیتے ہیں، اور دین کا جامہ پہنکر مخلوق کو گمراہ کرتے رہتے ہیں شاہ صاحب کے علم وفضل اور رجعت خلق کو یہ گروہ کب دیکھ سکتا تھا، نیش زنی سے تو پہلے ہی کب چوکتا تھا لیکن جب شاہ صاحب نے ترجمۃ القرآن کو فتح الرحمن کے نام سے ارباب علم وفضل کے سامنے پیش کیا، تو یہ نفس پرست بے بصر ملاں میدان اغوا میں کود پڑے، اور اس زور سے آتش فساد کو مشتعل کیا کہ سارے شہر کو شعلہ آتش بنا دیا، زمین وآسمان سر پر اٹھا لیا، کہ ولی اللہ نے اسلام میں ایک زبردست بدعت کی بنا ڈالی ہے۔ اور اسلام میں ایک جدید کام کیا، جسے سلف صالح نے کبھی نہیں کیا، یہ اس قدر زبردست گناہ ہے کہ اس کا مرتکب واجب القتل ہے ان علما نفس نے یہانتک فساد برپا کر دیا کہ ایک مرتبہ جبکہ شاہ صاحب مسجد فتحپوری میں عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، مخالفین نے آپ کے قتل کے ارادے سے مسجد کے دروازوں کا محاصرہ کر لیا، شاہ صاحب کو جب ان کے ارادوں کا علم ہوا تو نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہجوم کو چیرتے ہوئے باہر نکل گئے اور کسی کو بھی آپ کیطرف ہاتھ بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی، مخالفت و عناد کے اس طوفان بے تمیزی کا سدباب کرنے کی غرض سے شاہ صاحب نے مناسب سمجھا کہ کچھ مدت کے لئے ہندوستان سے باہر چلے جائیں، شاہ صاحب عرصہ سے حرمین کی زیارت کا ارادہ رکھتے تھے۔ کہ وہاں جا کر علما ومشائخ سے علم حدیث کی سند حاصل کریں۔ اس موقع کو شاہ صاحب نے غنیمت سمجھا اور ۱۱۴۳ھ میں وہ ہندوستان سے روانہ ہو گئے، سب سے پہلے وہ مکہ معظمہ پہنچے، حج کیا، حج سے فراغت پاکر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، کم وبیش ایک سال تک علما حدیث اور مشائخ سے دلچسپ صحبتیں رہیں اور علوم ظاہر وباطن کا اکتساب کرتے رہے۔

فیوض حرمین

قیام حرمین کے زمانہ میں شاہ صاحب متعدد علماء و مشائخ سے کسب فیض کرتے رہے پہلی مرتبہ شاہ صاحب نے ہندوستان میں شیخ محمد افضل خان معروف بحاجی سیالکوٹی سے حدیث پڑھی تھی، پھر مدینہ منورہ میں شیخ ابوطاہر ابراہیم کردی مدنی سے سند حاصل کی شیخ ابوطاہر شاہ صاحب کے بڑے معتقد تھے، اکثر فرمایا کرتے کہ ولی اللہ الفاظ کی سند مجھ سے لیتے ہیں اور میں معنی کی سند ان سے لیتا ہوں۔

شیخ ابوطاہر کے علاوہ شاہ صاحب نے شیخ وفد اللہ بن شیخ سلیمان مغربی کی درسگاہ میں بھی شرکت کی، اور موطا یحیٰ بن یحیٰ اول سے آخر تک سنائی، اور اس کے بعد شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی کی تمام مرویات کی اجازت لی۔ شاہ صاحب تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے اور بخاری کی سماعت کے علاوہ کتب صحاح ستہ کے بعض مشکل مقامات کی بھی سماعت کی، اس کے علاوہ مؤطا امام مالک بروایت یحیٰ بن یحیٰ، اور موطا امام مالک بروایت امام محمد کتاب الآثار امام محمد مسند دارمی کی بھی سماعت کی، شیخ تاج الدین نے خصوصیت کے ساتھ شاہ صاحب کو تحریری اجازت نامہ عنایت کیا۔

شاہ صاحب نے بڑے بڑے مشائخ سے کسب فیض کیا ہے، شیخ سناوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بیعت کر کے کسب فیض کیا، شیخ احمد قشاشی سے بھی کچھ فیوض حاصل کئے۔ ان کے علاوہ سید عبدالرحمن ادریسی شمس الدین محمد بن علا بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری، شیخ حسن عجیمی، شیخ احمد علی، شیخ عبداللہ بن سالم بصری، شیخ محمد بن علوی، شیخ ابراہیم کردی وغیرہم سے بھی اکتساب فیض کیا،

شاہ صاحب نے مشائخ حرمین کے متعلق ایک مستقل رسالہ الانسان العین فی مشائخ الحرمین کے نام سے لکھا ہے، اس میں اپنے تمام مشائخ کے حالات اختصار کے ساتھ درج کئے ہیں۔

وفات

شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ ہجری میں مکہ معظمہ تشریف لے گئے، قریب قریب ایک سال تک علماء و مشائخ حرمین سے علوم ظاہری و باطنی کا اکتساب کرتے رہے، ۱۱۴۴ھ ہجری میں دوبارہ حج کر کے ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ

میں جمعہ کے دن دہلی واپس پہونچے، شہر کے تمام باشندوں اور نامی گرامی علماء فضلاء نے آپ کا خیر مقدم کیا، یہاں پہونچکر یہ تاجدار علم و فضل پھر مدرسہ رحیمیہ میں درس و ارشاد تعلیم و تلقین کی مسند پر بیٹھا، اور اپنے وظیفہ زندگی میں مشغول ہو گیا، حج سے واپسی کے بعد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ۱۱۷۶ھ تک آپ درس و تدریس تعلیم و ارشاد تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ اور اس اثنا میں آپ نے کتاب و سنت سے ہند کے گوشہ گوشہ کو معمور کر دیا، اور وہ چشمہ فیض جاری کر دیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک تشنگان علوم و معارف کی پیاس بجھاتا رہے گا، گیارہویں صدی ہجری میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کوشش سے کچھ عرصہ تک ہند میں اس کا چرچا رہا لیکن ان کی وفات کے بعد ہی اس کا ذوق بہت کم ہو گیا تھا، شاہ صاحب نے اس چشمہ کو پھر جاری کر دیا، اور ہند میں اس کا صحیح ذوق پیدا کر دیا، اور آج شاید ہی کوئی مرکز اس سرزمین میں ایسا ہو، جس کا سلسلۂ فیض شاہ صاحب کے مقدس وجود تک نہ پہونچتا ہو۔

غرض ۱۱۷۶ھ میں ایک خفیف سی علالت کے بعد ۶۳ سال کی عمر میں آپ نے سفر آخرت اختیار کیا، اور شاہجہاں آباد سے جنوب میں پرانی دلی میں مہندیوں کے اندر اپنے والد شیخ عبدالرحیم کی بغل میں اس آفتاب علم و فضل کو سپرد خاک کر دیا گیا، وفات کی تاریخ اس مصرع سے نکلتی ہے ؎

او بود امام اعظم دیں۔

اخلاق و عادات

شاہ صاحب کی طبیعت بیحد سادہ تھی، بچپن میں عام بچوں کی طرح کھیل کود میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ ایک ہم عمر لڑکے کے ہمراہ باغ کی سیر کے لئے نکل گئے، واپس آئے تو والد بزرگوار نے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا۔ جان پدر آج دن رات میں تم نے کیا چیز حاصل کی؟ دیکھو! ہم نے اتنی دیر میں اسقدر درود پڑھا ہے، والد بزرگوار کی زبان سے یہ الفاظ سننے تھے کہ آپ فرط ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گئے، اور اس کے بعد کبھی سیر کے لئے نہ نکلے، مکارم اخلاق کے آپ پیکر مجسم تھے، طبیعت میں بیحد تواضع و انکساری تھی، نہایت بلند ہمت، فراخ حوصلہ، مہمان نواز تھے، بزرگان دین کی بڑی ارادتمندی سے خدمت کیا کرتے، خلوت و جلوت میں کبھی کسی کی غیبت اور برائی نہ کرتے، دشمن سے دشمن کے حق میں بھی کبھی کلمہ خیر کے سوا کچھ نہ کہتے، اور علماء ربانیین کی یہی شان

ہوا کرتی ہے۔

سادگی کا یہ عالم تھا، کہ ہر شخص خواہ وہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو، ہر وقت آپ سے بلا تامل ملاقات کر سکتا تھا، آپ نہایت نفاست پسند تھے لیکن فضول اور نمائشی شان و شوکت ہی کوسوں دور رہتے، جب کبھی بازار میں نکلنے کا اتفاق ہوتا، تو نہایت معمولی حیثیت سے نکلتے، آپ جس درجہ کے آدمی تھے اس لحاظ سے آپ کے ہمراہ کم از کم تین چار خدمت گار ضرور رہنے چاہئیں تھے، لیکن چونکہ اس میں ایک قسم کی خود بینی ہے، جو علمار ربانیین کی شان سے بعید ہے، اس لئے آپ جب بازار وغیرہ میں نکلتے، تو تنہا تشریف لیجاتے، اور کوئی ایک آدمی بھی آپ کے ہمراہ نہ ہوتا،

شاہ صاحب جیسے فاضل و علامہ تھے، ویسے ہی جفاکش بھی تھے نفس کشی کے لئے محنت و ریاضت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا نفس امارہ کو احکام الٰہی کا پورا پورا مطیع و فرمانبردار بنا دیا تھا، ورع و تقوی طاعت الٰہی محاسن اخلاق، تواضع و انکساری، نیک نیتی، وفاشعاری، خدا ترسی وغیرہ میں سلف صالحین کے بہترین اسوہ تھے،

شاہ صاحب دہلی کے متوسط الحال دولت مندوں میں شمار ہوتے تھے، اکثر فقیروں مسکینوں ضرورت مندوں کے ساتھ کریمانہ سلوک کرتے تھے، طلبہ کی معیشت کا خاص خیال رکھتے، باوجود اس دولت و تمول کے خود نہایت سادہ اور معمولی زندگی بسر کرتے، اکثر اوقات آپ کے کھانے میں خشک روٹی اور کبھی کبھی معمولی تقولات ہوتے۔

مقام و منصب

علم و فضل میں آپ کے منصب جلیلہ کی نسبت کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے، نواب صدیق حسن خان والی بھوپال کا زرین مقولہ تم اوپر پڑھ چکے، کہ شاہ صاحب کے رتبہ ارفع و عالی کی نسبت ان کا کیا خیال ہے " اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی میبود، امام الائمہ و تاج المجتہدین شمردہ می شد۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے تو بہت کم ہستیاں آپ کے پایہ کی نکلیں گی، اور ہندوستان میں تو خصوصاً اس مرتبہ کا آدمی کوئی ہوا ہی نہیں، شاہ صاحب خود اپنے متعلق فرماتے ہیں " لعنت عظمی بر ایں ضعیف آنست کہ او را خلعت فاتحیہ دادند و ختم دورۂ بازپسیں بر دست وے کردند۔

شاہصاحب نہایت خوش بیان تھے، کلام میں وہ سحر تھا کہ باتوں باتوں میں شکل سے شکل مسئلہ اسطرح حل فرما دیتے جیسے کوئی معمولی مسئلہ ہو۔ جس موضوع پر آپ گفتگو فرماتے، یہ معلوم ہوتا گویا اس فن کے مجتہد ہیں۔ آپ کبھی کبھی شعر بھی فرمایا کرتے، چنانچہ عربی میں آپ کے قصائد اور فارسی میں بعض غزلیں اور رباعیاں موجود ہیں، فارسی میں آپ اپنا تخلص امین فرماتے، آپ کے مکاتیب کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

مسلک

چوتھی صدی سے مسلمانوں نے کتاب وسنۃ کی تعلیم میں لاپرواہی کی، اور محض اقوال فقہاء پر دین کی عمارت قائم ہونی شروع ہوگئی۔ تحقیق وتنقید کے دروازے بند ہو چلے، کتاب اللہ کتاب الرسول سے صرف یہ کام لیا گیا کہ اپنے مقررہ مسلک کے لئے چند آیات واحادیث ڈھونڈھ نکالی جائیں، عقائد واعمال میں فقہاء کے اقوال کو اپنا مسلک بنالیا، اور اپنے مقرر کردہ مسلک کے ثبوت میں مفید مطلب آیات واحادیث کی جستجو کی، جو آیات واحادیث اپنے مسلک کے خلاف ملیں، ان کی تاویلیں کیں اور بعض اوقات ایسی تاویلیں کیں، کہ کتاب وسنت کو درجہ تحریف تک پہونچا دیا، گویا کتب متاخرین کو اصل ومتبوع قرار دے لیا، اور کتاب وسنۃ کو فرع اور تابع عام طور پر عالم اسلامی کا یہی حال ہوگیا، خصوصاً ہندوستان کا حال تو ناگفتہ بہ رہا ہے، ہندوستان میں خالص عجمیوں کی حکومت رہی، اور وہ بھی ان لوگوں کی جو غزنی یا افغانستان سے آئے تھے اس لئے ان کے دور میں کتاب وسنۃ کا حقیقی ذوق پیدا ہونا نہایت دشوار ترین امر تھا،

شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک وہ تھا جو چوتھی صدی ہجری سے قبل صحابہ تابعین، اور فقہاء محدثین کا تھا جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کتاب وسنۃ اصل دین اور متبوع ہے، اور اقوال فقہاء تابع، جو اقوال فقہاء کتاب وسنۃ کے موافق ہیں، قابل قبول ہیں، اور جو اس کے خلاف ہیں، متروک اور ناقابل عمل۔ شاہ صاحب نے مذاہب اربعہ کی تحقیقات، مذاہب صحابہ وتابعین اور فقہاء محدثین سے کیں، اور کتاب وسنۃ کو اصل واساس قرار دیا، اور فقہ حدیث کی بنیاد ازسر نو قائم کی، شاہ صاحب کا مسلک یہی تھا چنانچہ خود شاہ صاحب اپنے مسلک کی نسبت فرماتے ہیں کہ" میں مذاہب اربعہ مشہورہ

میں بقدر امکان جمع کرتا ہوں، اور صوم وصلوٰۃ وضو غسل، حج کے مسائل اس وضع پر واقع ہیں، جسے تمام اہل مذاہب صحیح جانتے ہیں، جب جمع وتطبیق غیر ممکن ہوجاتی ہے تو میں اس مذہب پر عمل کرتا ہوں جو دلیل کی رو سے زیادہ قوی اور حدیث کی رو سے صحیح ہے، کیونکہ خدائے قدوس نے مجھے اس قدر علم عطا فرمایا ہے کہ میں ضعیف وقوی میں اچھی طرح فرق کرسکتا ہوں اور فتوی دیتے وقت مستفتی کے حال کی بخوبی رعایت کرسکتا ہوں، ہر مقلد مذہب کو اسکے مسلک کے مطابق جواب دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے مذاہب مشہورہ کی معرفت عنایت فرمائی ہے۔

شاہ صاحب کی تصنیف آپ کے اس مسلک کی بین دلیل ہے، شاہ صاحب کو مذہبی تفریق کے خانہ برانداز جھگڑوں سے چنداں سروکار نہ تھا، نہ ان مشہور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کے پابند تھے کہ خواہ مخواہ کسی ایک مذہب کے مسائل پر عمل کریں، بلکہ تا امکان مذاہب مشہورہ میں جمع کرتے، اور اس پر عمل کرتے جسے تمام مذاہب نے تمغہ صحت عنایت کیا ہو، اور اگر مذاہب مشہورہ مختلفہ میں جمع کرنا متعذر ودشوار اور ناممکن ہوتا، تو آپ اس مذہب پر عمل کرتے جو قوی اور حدیث صریح کے موافق ہوتا شاہ صاحب کسی خاص مذہب کے مقلد نہ تھے، اور اس بارے میں آپ نے مختلف مقامات میں بحث کی ہے حجۃ اللہ البالغہ کے اندر بھی کئی جگہ بعض بحثیں ہیں، جن میں آپ کے اس مسلک کی وضاحت ہوتی ہے بعض مستقل رسائل بھی اس خاص موضوع میں موجود ہیں، علماء متاخرین کی تنگ نظری اور تعصب نے اسلام کو جس قدر نقصان پہونچایا کسی چیز نے نہیں پہونچایا، شاہ صاحب اس تنگ نظری اور تعصب سے بالاتر تھے، آپ کا مسلک ائمہ محدثین کا مسلک تھا۔

علم سلوک وتصوف میں بھی شاہ صاحب کا یہی مسلک تھا ہمیشہ صوفیا رکتاب وسنۃ کے طریق پر آپ کا عمل رہا، اور اسی کی اپنے شاگردوں، مریدوں کو تلقین کی، کتب تصوف میں آپ کے مختلف رسائل آپ کے اس مسلک کی شاہد ہیں۔

انشا پردازی

انشا پردازی میں شاہ صاحب یکتائے روزگار تھے، بڑے بڑے علما، فضلا، آپ کے اس کمال کے قائل تھے، آپ بڑے سے بڑے مضمون کو نہایت مختصر الفاظ میں اس خوبصورتی سے ادا کرتے

کہ مضمون کا اصلی زور و اثر باقی رہتا، اور مضمون پورا کا پورا ادا ہو جاتا، آپکی انشاپردازی کا پتہ آپ کی کتابوں اور مکاتیب و خطوط اور علمی مناظروں سے چلتا ہے۔

تقریر و بیان

شاہ صاحب کے والد شیخ عبدالرحیم کی خوش بیانی اور تقریر ضرب المثل تھی، لیکن شاہ صاحب کی تقریر میں اس بلا کا جادو تھا کہ موافق مخالف دونوں پر آپ کی تقریر کا اثر پڑتا، بڑے بڑے مناظروں، علمی مجلسوں میں آپ کی زبان کبھی نہیں رکی ہر موقع پر برجستہ جواب دیتے جس وقت آپ کسی مسئلہ پر بحث کرتے کسی بڑے سے بڑے فاضل کو بھی آپکے مقابلہ میں "لا نسلم" کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ بلکہ تمام پر ایک قسم کی محویت طاری ہو جاتی، اور نہایت خاموشی سے آپ کی تقریر سنتے، شاہ صاحب کی فصاحت و بلاغت کا ہر موافق و مخالف کو اعتراف ہے۔

تصانیف

شاہ صاحب کی چھوٹی بڑی تصنیفات کی تعداد ۵۰ بتائی جاتی ہے، جن میں سے کم و بیش انتیس تیس کتابیں چھوٹے چھوٹے رسائل پر مشتمل ہیں، اور انہیں سے اکثر کمیاب ہیں، چند تصانیف کے نام ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن، یہ قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ ہے، آج تک کسی کو اس ترجمہ کے متعلق دم مارنے کی طاقت نہیں ہوئی۔ قرآن حکیم کے بین السطور ہے، جس کی سلاست، روانی، جامعیت حقیقت رسی آج تک عدیم النظیر ہے۔ بکرات و مرات ہندوستان میں طبع ہوا ہے، اور اندازہ لگایا جاتا ہے، کہ اسوقت تک تقریبًا ایک کروڑ کی تعداد میں ہدیہ ہو چکا ہوگا۔

(۲) الفوز الکبیر۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے جس میں شاہ صاحب نے اصول تفسیر کو نہایت جامعیت کے ساتھ سہل انداز میں بیان کیا ہے، مطالب خمسہ قرآنیہ تاویل حروف مقطعات، رموز قصص انبیاء، اصول ناسخ و منسوخ کو اس سہل انداز میں بیان کیا ہے۔ کہ بڑے بڑے پیچیدہ مسائل مختصر الفاظ میں حل کر دیئے ہیں، متعدد مرتبہ طبع ہو چکی ہے، اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۳) فتح الخبیر آیات قرآنی کی تمام ماثورہ تفاسیر کا مرقع اور خلاصہ ہے۔ فوز الکبیر کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

(۴) مصفی شرح موطا۔ فارسی زبان میں موطا امام مالک کی شرح ہے۔

(۵) مسوی شرح موطا۔ یہ عربی زبان میں موطا امام مالک کی شرح ہے کسی زمانہ میں مصفی اور مسوی ایک جا شائع ہوئی تھیں۔ اب پھر کمیاب ہونے کے بعد شائع ہو گئی ہے۔

(۶) حجۃ اللہ البالغہ۔ فقہ حدیث میں یہ شاہ صاحب کی بہترین کتاب ہے۔ فقہ حدیث، اخلاق تصوف، فلسفہ کا مذاق اس میں موجود ہے فقیہ اپنے مسائل فقہیہ کو، محدث اپنی اطمینان بخش احادیث کو فلسفی اپنے دلائل فلسفیہ کو اچھی طرح پا لیتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ مطالعہ کرنے والے کو اخلاق و تصوف کا ذوق بھی حاصل ہوتا جاتا ہے۔ یہ وہ زبردست کتاب ہے، کہ بلا مبالغہ یہ کہنا صحیح ہے کہ تیرہ سو برس میں آج تک اس فن میں اس پایہ کی کتاب نہیں لکھی گئی، نواب صدیق حسن خان مرحوم نے ایک موقع پر لکھا کہ "ایں کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست، اما شرح احادیث بسیار دراں کردہ، و حکم و اسرار آں بیان نمودہ، تا آنکہ درفن خود غیر مسبوق علیہ واقع شدہ، و مثل آں دریں دوازدہ صد سال ہجری ہیچ یکے از علماء عرب و عجم تصنیفے موجود نیامدہ

یقیناً اس کتاب کو ایسا ہی ہونا چاہیئے، کہ شاہ صاحب نے اس کتاب کو الہام و القاء کے ذریعہ لکھی ہے شاہ صاحب نے اسی کتاب کے شروع میں لکھا ہے۔ کہ یہ کتاب میں القاء و الہام کے ذریعہ لکھ رہا ہوں ایک روز میں بعد نماز عصر مراقبہ میں تھا کہ دفعتہً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس نے ظہور فرمایا، اور مجھے ڈھانپ لیا، گویا کسی نے مجھ پر کپڑا ڈھانپ دیا اس حالت میں مجھ پر القاء ہوا۔ جو کسی امر دینی کی طرف اشارہ تھا اس وقت میں نے اپنے سینہ میں ایسا نور پایا، کہ جس میں وقتاً فوقتاً وسعت ہوتی گئی، پھر چند روز کے بعد مجھے الہام ہوا کہ اس صاف روشن امر کے لئے میں تقدیر الٰہی میں مقدر ہو چکا ہوں، مجھے معلوم ہوا کہ پروردگار کے انوار سے تمام زمین منور ہو گئی ہے۔ غروب آفتاب کے وقت روشنی نے اپنا عکس زمین پر ڈالا کہ شریعت مصطفوی اس زمانہ میں دلائل کے وسیع اور مکمل لباس میں ظہور فرمانے کو ہے۔ جس سے زمین سراپا نور ہو گئی ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب مکہ معظمہ کا ایک خواب بیان فرماتے ہیں کہ امام حسین رضؓ نے مجھے

خواب میں ایک قلم عطا فرمایا ہے۔ اور کہا" یہ میرے نانا جان کا قلم ہے۔ اس کے بعد میں اکثر اس فکر میں رہا کہ میں کوئی ایسی کتاب مدون کروں جو میرے بعد دنیا اس سے فیضیاب ہوتی رہے چنانچہ اس کے بعد شاہ صاحب نے یہ کتاب لکھی۔

اس کتاب کا کسی زمانہ میں اردو ترجمہ بھی شائع ہوا تھا، جو اب کمیاب ہے، ترجمہ کتاب کی شان کے مطابق نہیں ہے، مغلق مقامات کو اور بھی زیادہ مغلق کر دیا ہے۔ اکثر مقامات پر الفاظ مفردہ سے ترجمہ کیا ہے جس سے مطلب بجائے وضاحت کے خبط ہو گیا ہے ایسے مقامات پر جملوں اور کلمات سے مصنف کے مطلب کو واضح کر دینے کی ضرورت ہے۔

۱۹۱۹ء میں مولانا ابو الکلام آزاد نے اس کے ترجمے کیطرف مجھے توجہ دلائی تھی۔ میں نے کہا اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ ترجمہ ناکافی اور غیر مفید ہے، کتاب کی شان کے لائق نہیں، میں نے کہا، بہتر میں اس کام کو انجام دینے کے لئے تیار ہوں اس کی اشاعت کا آپ سامان فرمائیں قبل اس کے کہ میں اس ترجمہ کو شروع کرتا، امام غزالی کی کتاب، القسطاس المستقیم، اور جواہر القرآن کا ترجمہ سامنے آیا، ان کتابوں کے ترجمے سے فارغ ہوا تو زمانہ نے پلٹا کھایا مولانا نظر بندی سے رہا ہو گئے، اور فقیر اپنے وطن چلا گیا، اور حجۃ اللہ البالغہ کا ترجمہ التوا میں پڑ گیا کسی مناسب وقت میں ترجمہ کی یہ خدمت پیش نظر ہے۔

(۷) الضاف فی بیان الاختلاف

(۸) عقد الجید فی الاجتہاد والتقلید، ان دونوں رسالوں میں اجتہاد و تقلید کے متعلق نہایت عمدہ بحث کی گئی ہے دونوں کے اردو ترجمے اور اصل بھی الگ طبع ہو چکی ہے۔

(۹) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، شاہ صاحب کی سب سے بڑی اور جامع، بلند پایہ تصنیف ہے خلافۃ صحابہ کے متعلق حدیث و تفسیر تاریخ، استخراج مسائل اخذ و استنباط کا بہترین مرقع ہے، حجۃ اللہ البالغہ کے بعد شاہ صاحب کی یہ بہترین کتاب ہے۔ یہ کتاب کسی زمانہ میں مولانا جمال الدین مدار المہام ریاست بھوپال (جو نواب صدیق حسن خاں کے خسر تھے،) کی کوشش اور خرچ سے شائع ہوئی تھی، اب بہت کمیاب ہے اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

(۱۰) قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین تفضیل شیخین کے متعلق دس گیارہ جزو کا مطبوعہ رسالہ ہے بہترین کتاب ہے

(۱۱) فیوض الحرمین۔ تصوف وسلوک میں بہترین رسالہ ہے۔
(۱۲) انسان العین، شاہ صاحب کے شیوخ حرمین کے حالات میں ہے۔
(۱۳) القول الجمیل۔ وظائف میں بہترین رسالہ ہے۔
(۱۴) ہمعات، یہ بھی تصوف میں ہے۔
(۱۵) الطاف القدس۔ تصوف میں ہے۔
(۱۶) لمعات۔ تصوف میں ہے۔
(۱۷) سطعات۔ یہ بھی تصوف میں ہے۔
(۱۸) انفاس العارفین۔ یہ بھی تصوف میں ہے۔
(یہ سب شائع ہو چکی ہیں)

(۱۹) خیر کثیر۔ تصوف میں ہے (اس کا قلمی نسخہ جامعہ ملیہ کے کتب خانہ میں ہے)
(۲۰) شفاء القلوب۔ تصوف میں ہے۔
(۲۱) البدور البازغہ۔ تصوف میں ہے۔ (اس کا قلمی نسخہ جامعہ ملیہ کے کتب خانہ میں ہے۔)
(۲۲) زہراوین۔ تصوف میں ہے۔
(۲۳) رسائل تفہیمات۔ تصوف میں ہے۔

(۲۴) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔ تصوف میں ہے۔
(۲۵) در الثمین۔ تصوف میں ہے۔
(۲۶) تاویل الاحادیث۔
(۲۷) ہوامع شرح حزب البحر۔
(۲۸) العقیدۃ الحسنہ۔
(۲۹) المقدمۃ السنیہ
(۳۰) سرور المحزون
(۳۱) رسالہ دانشمندی۔
(۳۲) ارشاد الی مہمات الاسناد
(یہ سب شائع ہو چکی ہیں)

(۳۳) النصیحۃ والوصیہ۔ جس کا ترجمہ اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔

(۳۴) تفہیمات الٰہیہ۔

(۳۵) چہل حدیث۔ اس نام سے شاہ صاحب نے وہ احادیث جمع کر دی ہیں جو اسلام کی مدار علیہا ہیں۔ متعدد بار مع ترجمہ شائع ہو چکی ہیں

(۳۶) تراجم بخاری۔ بخاری شریف کے تراجم سے بحث کی گئی ہے۔ حیدر آباد کے دائرۃ المعارف سے شائع ہو چکی ہے۔

بعض کتابیں اور بھی ہیں۔ جو اس وقت تک شائع نہیں ہوئیں، ان میں سے ایک بلندپایہ کتاب کا قلمی نسخہ دیوبند کے کتب خانہ میں موجود ہے، نیز شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کے حالات میں ایک مفید رسالہ لکھا ہے۔

اولاد

شاہ صاحب کے چار بیٹے تھے، چاروں کے چاروں علم و فضل کے علمبردار تھے، شاہ صاحب کی وفات کے بعد خدمت علم میں مشغول رہے۔ شاہ صاحب کی مشہور اولاد کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔

شاہ ولی اللہ

شاہ عبدالعزیز — آپ کے کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی

شاہ رفیع الدین — محمد موسیٰ۔ محمد عیسے۔ محمد مخصوص اللہ۔ حسن جان۔

شاہ عبدالقادر — آپ کے کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی

شاہ عبدالغنی — شاہ محمد اسمٰعیل شہید۔

ان میں سے ممتاز حضرات کے حالات ہم بطور اختصار ذیل میں درج کر دیتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز

شاہ عبدالعزیز اپنے تمام بھائیوں سے عمر میں بڑے تھے، آپ کے بھائی شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالغنی بھی علم و فضل کے میدان میں زبردست شہرت رکھتے تھے۔ لیکن نظر انتخاب پڑتی ہے تو شاہ عبدالعزیز صاحب ہی پر پڑتی ہے شہرت لیاقت علمی میں شاہ صاحب اپنے تمام بھائیوں سے

ممتاز تھے، یہی وہ نامور مقدس مشہور بزرگ ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنے خاندان کو مشہور کیا،

شاہ صاحب ۱۱۵۹ھ میں بطن مادر سے رونق افروز جہاں ہوئے۔ آپ کے والد شاہ ولی اللہ صاحب نے آپ کا نام عبدالعزیز رکھا لیکن شاہ ولی اللہ صاحب کے بعض احباب ورفقاء نے غلام حلیم تاریخی نام رکھا تھا

شاہ صاحب کی پیشانی ایام شیر خواری ہی میں یہ بتلا رہی تھی کہ آگے چلکر یہ ہونہار بچہ خاندان کے نام کو تمام دنیا میں روشن کرے گا، آپ کی بچپن کی نرالی اداؤں سے آپ کے والد آپ پر شیفتہ اور وارفتہ تھے، اس شریف اور نجیب بچے نے اپنے والد بزرگوار کی آغوش میں نہایت خوش اسلوبی سے پرورش پائی، جب آپ پانچ سال کے ہوئے تو قرآن مجید پڑھنا شروع کیا، آپ نہایت ذہین تیز فہم سلیم الطبع آدمی تھے، تھوڑے عرصہ میں قرآن مجید ختم کرلیا، اس کے بعد فارسی کے مختصر رسالوں کی تعلیم شروع کی گئی، تھوڑے ہی عرصہ میں فارسی میں کمال پیدا کرلیا، اس کے بعد تین سال کے اندر معمولی صرف و نحو کی کتابیں آپ نے پڑھ لیں۔ اور غالباً گیارہ بارہ سال کی عمر میں آپ کو باقاعدہ تعلیم ملنے لگی، شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ارشد تلامذہ میں سے ایک متین اور قابل شخص کو اس ہونہار بیٹے کی تعلیم کے لئے منتخب کیا، تقریباً دو سال کے عرصہ میں آپ نے عربی کے مختلف فنون میں حیرت انگیز قابلیت پیدا کرلی، شاہ عبدالعزیز صاحب جب تیرہ برس کے ہوئے تو آپ کی تمام معمولی درسی کتابیں نکل چکی تھیں، صرف، نحو، اصول، فن کلام و عقائد، ہندسہ و ہیئت، ریاضی وغیرہ میں بہترین لیاقت پیدا کرلی تھی، ان علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنے والد بزرگوار کی درسگاہ میں جانے لگے، اور طلبہ کے حلقہ میں شرکت کرکے حدیث کی سماعت کرنے لگے، شاہ ولی اللہ صاحب کے حلقہ درس میں اس وقت وہ وہ جفاکش طلبہ موجود تھے، جن کی ذہانت و حافظہ کی تمام علما میں دھوم تھی، شاہ عبدالعزیز صاحب ان ہی طلبہ کے گروہ میں شریک تعلیم تھے، تھوڑے ہی عرصہ میں آپ اپنے ہم درس طلبہ میں ممتاز ہوگئے، اور تمام طلبہ ان کی ذہانت۔ استعداد، اور خداداد حافظہ پر رشک کرنے لگے آپ ابتدا ہی سے خوش تقریر تھے۔ کسی مسئلہ پر تقریر کرتے، تو بڑے بڑے فضلا محو حیرت ہوجاتے، خود شاہ ولی اللہ صاحب بھی آپ کی طرف متعجبانہ نگاہوں سے دیکھتے۔

دو سال میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے حدیث کی تمام کتابیں اپنے والد بزرگوار سے

نکال لیں، اسوقت آپ کی عمر مشکل سے پندرہ سال کی ہوگی، اور علماء کبار کے زمرہ میں داخل ہو گئے شاہ ولی اللہ صاحب کے انتقال کے بعد آپ ہی سند علم وفضل کے وارث ہوئے، اور کتاب وسنة کا جو چراغ آپ کے والد نے روشن کیا تھا اب آپ کی ذات سے روشن تھا

حافظہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا حافظہ بڑا غضب کا تھا، غیر مشہور کتابوں کی طویل طویل عبارتیں صرف اپنی یاد پر طلبہ کو لکھوا دیتے، اور عرصہ کے بعد جب کتابیں دیکھی جاتیں تو عبارتیں اصل کتابوں کے بالکل مطابق ہوتیں، سر مو فرق نہ ہوتا،

شاہ صاحب کے زمانہ میں فرقہ اثنا عشریہ نے تمام ہندوستان میں شور برپا کر رکھا تھا جس سے بعض عوام اہل سنت کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے لگے تھے، شاہ صاحب نے ممتاز علماء کی درخواست پر کتاب تحفۂ اثنا عشریہ لکھی، جس کی شہرت ومقبولیت محتاج بیان نہیں، باوجود اس ضخامت کے آپ نے چند روز میں یہ کتاب مرتب کر لی۔

مجلس وعظ شاہ عبدالعزیز صاحب ہفتہ میں دو مرتبہ منگل اور جمعہ کو کوچہ چیلاں دہلی کے پرانے مدرسہ میں وعظ فرمایا کرتے، خواص وعوام مور وملخ کی طرح جمع ہو جاتے، اور اس سرتاج علم وفضل کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوتے، آپ کی سحر بیانی کا یہ عالم تھا کہ مخالفین گھر وں سے مزاحمت کا ارادہ کر کے آتے لیکن وہاں پہونچکر بجز خاموشی کے کوئی دم نہ مار سکتا،

تلامذہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی تمام عمر درس تدریس میں گذری، اور خاصکر کتاب وسنت کی تعلیم میں آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا لیکن افسوس کہ اس کی بسیط فہرست کا ملنا دشوار ہے، چند خاص شاگردوں کے نام ہم ذیل میں درج کرتے ہیں، جنہوں نے آپ کی صحبت سے بڑے بڑے فیوض حاصل کیے ہیں۔

شاہ رفیع الدین، شاہ ولی اللہ صاحب کے بلند اقبال فرزند، اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے برادر خورد۔ شاہ محمد اسحق صاحب مہاجر شیخ محمد افضل کے فرزند رشید اور آپ کے حقیقی نواسے مفتی صدرالدین خاں صاحب دہلوی۔ شاہ غلام علی صاحب، مولوی مخصوص اللہ صاحب شاہ رفیع الدین صاحب کے فرزند ارجمند، مولوی عبدالحی صاحب آپ کے داماد، مولانا رشید الدین صاحب دہلوی، مولوی کریم اللہ صاحب دہلوی، مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید شاہ عبدالغنی صاحب کے

فرزند اور آپ کے بھتیجے، مولانا سید محبوب علی صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب شیخ محمد افضل کے چھوٹے بیٹے۔ اور آپ کے نواسے، مولانا عبد الخالق صاحب۔ یہ حضرات اسی مرحوم دہلی کے باشندے تھے۔ بیرونجات کے طلبہ بھی بیشمار تھے، مثلاً مفتی الہی بخش صاحب کاندہلوی، مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی، مولانا حسن علی صاحب لکھنوی، مولانا حسین احمد صاحب ملیح آبادی وغیرہ۔ ان میں سے ہر شخص آسمان علم و فضل کا جہانتاب آفتاب تہا۔

اولاد شاہ عبد العزیز صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہیں پیدا ہوئی۔ صرف تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اور وہ بھی آپ کی حیات ہی میں بڑی ہو ہو کر انتقال کر گئیں۔ سب سے بڑی بیٹی کا عقد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے بڑے بیٹے مولوی محمد عیسیٰ سے ہوا تہا، دوسری صاحبزادی شیخ محمد افضل صاحب سے بیاہی گئی تہیں۔ جن سے مولانا محمد اسحاق صاحب مہاجر اور مولانا محمد یعقوب صاحب پیدا ہوئے۔ مولانا محمد اسحاق صاحب نے کامل بیس برس تک اپنے نانا شاہ عبد العزیز صاحب کے حضور میں بیٹھ کر احادیث نبوی کی تعلیم دی تھی، اور جب شاہ صاحب نے سفر آخرت اختیار فرمایا۔ تو آپ کی جانشینی کے لئے انہی کا انتخاب ہوا۔

مولانا محمد اسحاق صاحب کچھ عرصہ کے بعد مع اپنے تمام خاندان کے مکہ معظمہ چلے گئے، حج سے واپسی کے بعد عرصہ تک درس و تدریس وعظ و ارشاد میں مشغول رہے۔ پھر عرصہ کے بعد آپ نے ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا، اور تمام خاندان کو لے کر ہجرت کی طیاری کی، اس وقت تمام عمائدین شہر و نیز شاہ وقت نے آپ کو قیام دہلی کا مشورہ دیا لیکن آپ نے ارادہ تبدیل نہ کیا اور مکہ معظمہ تشریف لے گئے، تقریباً چھ سال تک قیام مکہ کے بعد آپ نے ۱۲۶۲ھ میں وہاں انتقال فرمایا۔

مولانا محمد یعقوب صاحب مولانا محمد اسحاق صاحب کے برادر خورد بھی ایک زبردست فاضل تھے علم و فضل صبر و قناعت، اخلاق حمیدہ کے پیکر تھے، خودداری کا یہ عالم تہا کہ اکثر لوگ آپ کو ہدایا اور تحفے بھیجتے لیکن آپ کسی طرح قبول نہ کرتے، آپ بھی اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہیں رحلت فرمائی

تصنیفات شاہ عبد العزیز صاحب کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ اور اپنی اپنی جگہ ہر کتاب علم کا ذخیرہ ہے۔ ہر کتاب مقبولیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، چند کتابوں کے نام

ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

تفسیر فتح العزیز۔ فارسی میں بہترین تفسیر ہے۔ دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد سورہ فاتحہ سے لیکر پارہ سیقول کے ربع تک ہے۔ اور دوسری جلد آخر کے دو پاروں پر مشتمل ہے

تحفۂ اثنا عشریہ۔ مذہب شیعہ کی تردید میں زبردست کتاب ہے جس کا آج تک شیعہ حضرات جواب لکھ رہے ہیں

بستان المحدثین۔ کتب احادیث اور ان کے مولفین کی تاریخ پر مشتمل ہے۔

شرح میزان المنطق۔ عربی زبان میں منطق کا بہترین مختصر رسالہ ہے۔

عجالہ نافعہ، اصول حدیث میں فارسی زبان میں مختصر رسالہ ہے۔

سر الشہادتین۔ شہادت حسنین رضی اللہ عنہما کے متعلق بہترین کتاب ہے۔ جو روایات صحیحہ سے لکھی گئی ہے

عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس۔ خلفاء اربعہ کے فضائل میں ہے۔

ان کے علاوہ آپ نے بدیع المیزان، اور شرح عقائد پر حاشیے بھی لکھے ہیں۔

مرض و وفات

آپ کی زندگی قریب قریب عمر کے نواسی مرحلے طے کر چکی تھی۔ یکایک خفیف سا بخار شروع ہوا۔ اور چند ہی روز میں خطرناک صورت اختیار کر لی اور سخت بے چینی دامنگیر ہوئی۔ روزانہ کے معمولی وظائف میں بھی قدرے فرق آگیا، ہوش و حواس میں کسی قسم کا فرق نہ آیا تھا۔ اشتداد مرض کے زمانہ میں جب آپ کے وعظ کا دن آیا تو فرمایا مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ اور دو آدمی مونڈھے پکڑے رہو۔ جب وعظ شروع کر دوں تو مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جانا۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور نہایت اطمینان کے ساتھ آپ وعظ فرمانے لگے۔ وعظ کے بعد آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اور نہایت خشوع و خضوع سے دعا کی۔ اس کے بعد آیۃ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل کی تلاوت فرمائی۔ اور اپنے اعزہ و اقربا کو مخاطب کر کے کہا میری ملکیت میں جس قدر نقد و اسباب ہے ایک جا جمع کرو۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ آپ نے احکام شرعیہ کے بموجب اسے ورثہ میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد معرفت الٰہی میں چند عربی فارسی اشعار پڑھے جس سے سامعین تڑپ اٹھے۔ اس کے بعد سامعین کو وصیت فرمائی کہ میری تجہیز و تکفین میں زیادہ اہتمام نہ کیا جائے، بلکہ جس قسم کے معمولی کپڑے میں اپنی زندگی میں استعمال کرتا رہا۔ ویسے ہی کپڑوں کا کفن پہنایا جائے۔ البتہ غسل میں نہایت احتیاط کرنا تاکہ ارکان غسل میں سے کوئی رکن

چھوٹ نہ جائے۔ تجہیز وتکفین کے بعد شہر سے باہر صحرا میں لے جاکر نماز جنازہ ادا کی جائے۔ شاہ وقت کو میرے جنازے اور شمولیت نماز کی دعوت نہ دیجائے۔

اس خاص وصیت کے بعد آپ ذکر واذکار میں مشغول ہوگئے، اور جس وقت اس قفس عنصری سے روح پرواز ہوئی، تو یہ الفاظ آپ کی زبان پر تھے، تَوَفَّنِی مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِی بِالصّٰلِحِیْنَ

انتقال کے بعد وصیت کے مطابق تجہیز وتکفین ہوئی، اور شہر سے باہر نماز جنازہ ادا کی گئی لوگ جوق جوق آتے، اور نماز جنازہ پڑھتے۔ کہتے ہیں کہ پچپن مرتبہ آپ کے جنازہ کی نماز پڑھی گئی۔

غرض! یہ آفتاب علم وفضل ۱۱۵۹ھ میں طلوع ہوا۔ اور ۱۲۳۹ھ ۷ شوال بروز یکشنبہ طلوع آفتاب کیساتھ غروب ہوگیا، اور اپنے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب کی بغل میں مہندیوں کے اندر میٹھی نیند سلا دیا گیا، قطعات تاریخ کئی ہیں، ایک ہم یہاں لکھدیتے ہیں

قطعہ

حجتہ اللہ ناطق وگویا	شاہ عبدالعزیز فخر زمن
روز یکشنبہ ہفتم شوال	در میان بہشت ساخت وطن
مہر نصف النہار در عرفان	مثل بدر منیر در ہمہ فن
از سر لطف دعلم تاریخش	رضی اللہ عنہ گفت حسن

۱۲ ھ ۳۹

شاہ رفیع الدین

شاہ رفیع الدین صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کے سعادت مند فرزند ہیں، یہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے چھوٹے، اور شاہ عبدالقادر صاحب سے بڑے تھے۔ آپ نے تمام علوم بالخصوص تفسیر وحدیث کی سند اپنے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب سے لی، علوم دینیہ، فنون نقلیہ میں مجتہدانہ کمال رکھتے تھے۔ ادب وشاعریت میں بھی یکتائے زمانہ تھے، جب شاہ عبدالعزیز صاحب کبر سنی کیوجہ سے ضعیف وکمزور ہوگئے، تو یہی شہسوار علم وفضل آپ کی جگہ درس وتدریس کے فرائض انجام دیتا، دور دور

سے نامی گرامی علمار فضلا، آتے، اور اپنے تئیں طفل ابجد خواں سمجھ کر ابتداء سے انتہا تک سبقاً سبقاً پڑھتے آپ کو ہر فن کے ساتھ خاص قسم کے مناسبت تھی ہر فن میں یکتائے روزگار تھے علم وفضل کے ساتھ متانت وسنجیدگی، استغنا، عجز وتواضع حلم وبردباری آپ کی شان کو بلند وبالا کر رہی تھی،

اس فاضل ہند نے اپنے تمام اوقات تقسیم کر رکھے تھے، اور ہر کام اپنے مقررہ اوقات میں انجام پاتا، کچھ وقت دنیوی کاروبار کے لئے مقرر تھا، باقی تمام وقت عبادت الٰہی درس و تدریس میں صرف کرتے تھے، تصنیف وتالیف کے لئے وقت بہت کم ملتا تھا، باوجود اس کے کئی مفید کتابیں لکھیں قرآن مجید کا اردو ترجمہ آپ نے کیا جو عوام وخواص میں مقبول ومشہور ہے کبھی کبھی اشعار بھی کہا کرتے چوتھی صدی کے فاضل بو علی سینا نے نفس کے متعلق ایک قصیدہ لکھا تھا جس کا شاہ ولی اللہ صاحب نے دنداں شکن جواب دیا تھا، شاہ رفیع الدین صاحب نے اس نظم کو مخمس کی صورت میں ڈھال دیا۔ آنحضرت صلعم کی شان میں بھی ایک زبردست قصیدہ لکھا ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحب کے چار بیٹے تھے، مولوی موسیٰ. مولوی مخصوص اللہ، مولوی عیسیٰ مولوی حسن جان، ان میں سے ہر ایک آسمان علم وفضل. کا روشن ستارہ تھا، مولوی مخصوص اللہ ان میں خاص درجہ رکھتے تھے، ان کی تمام تر تحصیل اپنے عم بزرگوار شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس ہوئی، ہیں پچیس سال تک شاہ صاحب کی خدمت میں رہے. تفسیر وحدیث میں خاص کمال تھا، اور ایک مجتہدانہ درجہ رکھتے تھے، آخر عمر میں، درس وتدریس کا سلسلہ چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کرلی اور تمام وقت عبادت الٰہی میں صرف کرتے رہے۔ ورع وتقویٰ میں سلف صالح کا نمونہ تھے۔

شاہ عبدالقادر

شاہ عبدالقادر صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کے تیسرے فرزند ہیں، یہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب سے چھوٹے تھے، انہوں نے تمامتر علوم کی تحصیل اپنے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب سے کی، بڑے زبردست باکمال شخص تھے، کتاب وسنۃ میں بڑا پایہ رکھتے تھے، آپ کے کمال کے سامنے تمام علمار وقت کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں، مذہبی تقدس کے علاوہ دنیاوی اعزاز میں بھی آپ کو بڑا درجہ حاصل تھا، شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد گورنمنٹ قلعہ نے آپکی

بڑی عزت افزائی کی لیکن آپ نہایت مستغنی المزاج تھے۔ اور اس لئے ہمیشہ دنیوی سازو سامان کے الجھیڑوں سے علیحدہ رہے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنی تمام عمر کا حصہ اکبر آبادی مسجد کے ایک گوشہ میں بسر کر دیا۔ اور شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہے

شاہ عبد القادر صاحب نے قرآن حکیم کا ٹھیٹھ سلیس اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے، جو دلفریب خوبیاں آپ کے ترجمہ میں موجود ہیں کسی کو اب تک نصیب نہیں ہوئیں۔

شاہ عبد الغنی

شاہ عبد الغنی صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کے چوتھی بیٹے ہیں۔ جو تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے آپ نے تمام تر علوم و فنون خاصکر فقہ و حدیث کی تحصیل اپنے پدر بزرگوار شاہ ولی اللہ اور اپنے بڑے بھائی شاہ عبد العزیز سے کی، وضع و لباس، اخلاق و عادات اور حلیہ میں اپنے والد بزرگوار کے مشابہ تھے، کمال علمی کے علاوہ توکل و قناعت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے باوجود عیالداری کے دنیا کی طرف بہت کم توجہ کی۔ اکثر اوقات درس و تدریس میں مصروف رہتے۔ خاصکر کتاب و سنت کی تعلیم بڑی دلچسپی سے دیتے تھے

شاہ محمد اسمٰعیل شہید

شاہ اسمٰعیل شہید شاہ عبد الغنی کے بیٹے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے ہیں، مولانا شہید کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ میں آپ پیدا ہوئے آپ کی والدہ کا نام بی بی فاطمہ تھا، باوجودیکہ نہایت ضعیف تھیں، خود حد شرع تک دودھ پلایا اور عمدہ طور پر ان کی پرورش کی، جب آپ نے چھٹے سال میں قدم رکھا تو آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو قرآن مجید کی تعلیم کے لئے بٹھایا، آٹھ سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے بعد صرف و نحو کے مختصر رسالے پڑھنے شروع کئے، دو تین سال کے اندر صرف و نحو کی معمولی درسی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے نکال لیں، اس کے بعد باقاعدہ تعلیم شروع کر دی، جب آپ کے والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا، تو آپ کے عم بزرگوار شاہ عبد العزیز صاحب نے

آپ کو اپنی پرورش میں لے لیا، اور فرزند کی طرح آپ کی پرورش و تربیت کی، اور نہایت اطمینان کے ساتھ تعلیم میں مشغول رہے۔ جب مولانا شہید علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہوگئے، تو شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث پڑھنا شروع کیا، اور چند روز میں یہ علم بھی حاصل کرلیا۔ اور دوسرے علوم کیطرح اس میں بھی کمال پیدا کرلیا۔ اور وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے مشاق تجربہ کار آپ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کرنے کو اپنا فخر سمجھنے لگے، آپ اسقدر ذہین و طباع تھے۔ کہ دقیق سے دقیق مسائل کو آسانی سے سلجھا دیتے، اور ایسی شستہ تقریر کرتے، کہ سامعین گردنیں جھکا دیتے فقہ دانی کا یہ عالم تھا کہ ہر مسئلہ کو آیات و احادیث سے تطبیق دیتے اور وہ وہ جزئیات فقہیہ بیان کرتے کہ بڑے بڑے نامور علماء سنکر محو حیرت رہجاتے۔

آپ نے منطق میں ایک پرزور رسالہ لکھا ہے جس میں شکل اول کی بعید الطبائع اور شکل رابع کے بدیہیۃ النتیجہ ہونے کا دعوی کیا ہے، اور اس کے دلائل اس قوت و استحکام کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ کہ بلا مبالغہ اگر معلم اول موجود ہوتا تو اپنے دلائل کو تار عنکبوت سمجھکر آپ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کر دیتا،

اثبات رفع یدین کے متعلق آپ نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین ہے، یہ رسالہ اس غرض سے لکھا تہا کہ دہلی کے مولویوں میں رفع یدین کے متعلق عرصہ سے جھگڑا پڑا ہوا تہا، اور تعصب نے دونوں فریق کو اندھا کر رکھا تہا، ایک فرعی مسئلہ کی بنا پر اس قدر شور و غوغا برپا کر رکھا تھا، کہ ہر فریق دوسرے کو کافر بے دین کہا کرتا تہا، رفع یدین نہ کرنیوالا اس کو کافر بے دین کہتا جو رفعیدین کرتا، اور رفع یدین کرنیوالا اس کو کافر و بیدین بتاتا، جو رفعیدین نہ کرتا، مولانا شہید نے اس فضول شور و شر اور بیہودہ غلط فہمی کا ازالہ کیا، اور رفع یدین کے ثبوت میں مشہور حدیثوں سے استدلال کیا، اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ فقہا کے دلائل جو اس کے مقابلہ میں تھے ان کا اس طرح جواب دیا کہ غیر متعصب منصف کو بجز تسلیم چارہ نہیں

اس کے علاوہ اور چند رسائل مختلف فنون میں لکھے ہیں۔

مولانا شہید کو ابتدائی زمانہ سے علوم باطن کا خیال تہا، اس لئے آپ جناب مولانا سید احمد صاحب بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے کسب فیض کیا، اس کے بعد اپنے مرشد کی

رفاقت میں حجاز کا سفر کیا، مناسک حج ادا کرنے کے بعد ہندوستان لوٹے، اور اپنے پیر ومرشد کی خدمت میں عرصہ تک حاضر رہے، عرصہ کے بعد اپنے پیر ومرشد کی ہدایت کے مطابق دہلی شاہجہاں آباد میں آکر دعوت وارشاد میں مشغول ہوگئے، اور بدعات ورسومات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، آپ کا اصلاحی طریقہ ارباب مشیخت کو سخت ناگوار گذرا، اور آستینیں چڑھا کر آپ کے مقابلہ میں نکل آئے، لیکن تائید الٰہی نے آپ کا ساتھ دیا، اور مخالفین کے تمام ہتھیار بیکار ثابت ہوئے۔

مولانا شہید جمعہ اور سہ شنبہ کو دہلی کی جامع مسجد میں ہمیشہ وعظ کہا کرتے تھے، لوگ غول کے غول آکر جمع ہوتے، اور نہایت شوق سے آپ کا وعظ سنتے پیر ومرشد کے ارشاد کے موافق مسائل جہاد کی تلقین کرنے لگے، جب کچھ عرصہ میں دہلی کے باشندوں میں شوق جہاد کا ولولہ پیدا ہوگیا، تو آپ کے پیر ومرشد نے آپ کو طلب کیا، اور یہ دونوں حضرات شوق جہاد میں کوہستان کی طرف چل کھڑے ہوئے، کوہستان پہونچکر اطراف ہند میں خطوط روانہ کئے۔ اور شائقین جہاد کو کوہستان آنے کی دعوت دی۔ کوہستانیوں کے علاوہ ہندوستان کے باشندوں کی ایک بڑی جماعت آپ کے گرد جمع ہوگئی۔ اور ایک لاکھ سے زیادہ ہندوستانی اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے طیار ہوگئے۔

تائید الہی نے مولانا شہید کا رعب کفار پر اسدرجہ بٹھادیا کہ کفار آپ کے نام سے تھراتے تھے کافروں کا لشکر کتنا ہی بھاری کیوں نہ ہوتا مٹھی بھر نوجوانوں کو لیکر مولانا شہید آگے بڑھتے، اور دشمنوں کو مولی گاجر کیطرح کاٹ کر رکھدیتے، مولانا کے سپاہیانہ کارنامے سنکر بڑے بڑے تجربہ کار لشکروں کے قلوب میں لرزہ پیدا ہوجاتا، مولانا شہید کے کارنامے دیکھکر ہزاروں افغان آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، مولانا سید احمد صاحب نے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کردیا، افغانوں کے علاوہ ایک لاکھ سے زیادہ ہندوستانی آپ کے علم کے نیچے اکھٹے ہوئے، آپ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا، اور تمام نے آپ کو اپنا امام تسلیم کیا، مولانا شہید کو فوج کا جنرل مقرر کیا، لشکر نے اپنے بہادر جنرل کے حکم سے نقل وحرکت شروع کردی۔ چند روز تک عشر جو اسلام میں خراج کی ایک قسم ہے جمع کیا گیا، پشاور اور بعض دیگر مقامات سکھوں کی عملداری سے نکلکر اسلام کے تصرف میں آگئے۔

مولانا شہید کا رعب سکھوں پر اسقدر طاری تھا کہ وہ ملک کا کچھ حصّہ دینے پر آمادہ تھے، لیکن جنگ کرنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ آپ اسلام کی ترویج کے خواہاں تھے، اس لئے اس چیز کو قبول نہ کیا۔ اور برسوں تک سلسلہ جہاد جاری رہا۔ بعض لالچی افغانوں نے سکھوں سے کچھ لے کر لشکر اسلام کیساتھ دغا کی، اور ایک نازک موقع پر آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور مولانا شہید اور آپ کے پیر و مرشد اور بہت سے مسلمان اس معرکہ میں بالاکوٹ کے قریب شہید ہو گئے، اور مسلمانانِ ہند کی ایک آخری اور زبردست مجاہدانہ تحریک کا خاتمہ ہو گیا، اور بقول ایک مورخ کے یہ جاں گداز واقعہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وصیت نامہ

چونکہ شاہ صاحب کا وصیت نامہ مفید اور پر اثر ہے، لہذا ہم اس کا ترجمہ بھی اپنی اس کتاب کے ساتھ بطور تتمہ درج کر دیتے ہیں، اصل کتاب فارسی میں ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے لیکن اس میں سلاست و روانی بالکل نہیں، مترجم نے تحت اللفظ ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے اسلئے مطلب پوری طور پر واضح نہیں ہوتا، ہم سلیس ترجمہ میں اس وصیت نامہ کو ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ملھم الحکم، ومفیض النعم، والصلوٰۃ والسلام علی سید العرب والعجم، وعلی آلہ وصحبہ واھل الفضل والکرم۔

اما بعد۔ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کے یہ چند کلمات ہیں جن کے ذریعہ اپنی اولاد اور دوستوں کو وصیت کرتا ہے، میں نے اس کا نام مقالۃ الوصیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ رکھا ہے۔ "حسبنا اللہ ونعم الوکیل، وھو الہادی الی سواء السبیل۔

وصیت اوّل

فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد و عمل میں کتاب و سنت کو مضبوط پکڑا جائے، کتاب و سنۃ پر ہمیشہ غور و فکر کرتے رہنا چاہیئے۔ روزانہ تھوڑا بہت کتاب و سنت کا مطالعہ کرنا چاہیئے، جو شخص مطالعہ کی طاقت نہ رکھتا ہو، اسے چاہیئے کہ کسی دوسرے سے ورق دو ورق قرآن و حدیث کا ترجمہ سن لیا کرے۔ عقائد میں متقدمین اہل سنت کا مذہب اختیار کرنا چاہیئے۔ جن امور کی تفتیش سلف صالحین نے نہ کی ہو اس سے بالکلیہ اعراض کرنا چاہیئے۔ معقولیوں منطقیوں کے شکوک وشبہات کیطرف قطعی التفات نہ کرنا چاہیئے، فروعی مسائل میں ان علماء محدثین کی اتباع

کرو۔ جو فقہ حدیث کے جامع ہوں، تفریعات فقہیہ کو ہمیشہ کتاب وسنت سے منطبق کرتے رہنا چاہئے جو مسائل تفریعی کتاب وسنت کے موافق ہوں قبول کئے جائیں جو خلاف ہوں ان کو بالکل ترک کر دیا جائے امت محمدی کے واسطے اجتہادی مسائل کو کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے منطبق کر کے پیش کرنا ضروری ہے، کسی حال میں اس سے مفر نہیں، ایسے خشک دماغ فقہا کی بات کبھی نہ سننی چاہئے جو کسی ایک عالم کی تقلید کو اپنی دستاویز سمجھ لے، اور سنت رسول کو ترک کر دے، اس قسم کے خشک دماغ فقہا کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ ان سے دور رہنے کو تقرب خداوندی سمجھے۔

وصیت دوم

امر بالمعروف کے متعلق اللہ تعالیٰ کی جانب سے فقیر کو جو القا ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ فرائض الٰہیہ اور شعائر اسلام کے لئے پوری طاقت سے امر بالمعروف کیا جائے، اور گناہ کبیرہ کے متعلق پوری قوت سے نہی عن المنکر کیا جائے، اور جو لوگ امر بالمعروف نہی عن المنکر میں سستی کریں، ان سے تعلقات بالکل قطع کر لینے چاہئیں، بلکہ اس قسم کے لوگوں کو اپنا دشمن سمجھے۔ امور مذکورہ بالا کے سوا دوسرے امور میں تشدد اور سختی نہ کریں، بلکہ تنبیہ کافی ہو سختی کسی حال میں اچھی نہیں خصوصاً ان امور میں جن میں علماء سلف یا علماء خلف نے اختلاف کیا ہو۔

وصیت سوم

اس زمانہ کے مشائخ کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہئے، اور کبھی ان کا مرید نہ ہونا چاہئے کیونکہ آج کل یہ لوگ طرح طرح کی بدعات ورسومات میں مبتلا ہیں۔ شہرت، رجوع خلق، اور مریدوں کی کثرت دیکھکر دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ اور نہ ہی ان کی کرامتوں سے دھوکہ کھانا چاہئے عوام کا رجحان اور غلو رسم ورواج کی بنا پر ہوتا ہے۔ اور یہی امور کبھی قابل اعتبار نہیں ہوا کرتے آج کل کے کرامت پرستوں نے عام طور پر طلسمات اور شعبدہ بازی کو کرامت سمجھ رکھا ہے، الا ماشاء اللہ۔ انہیں شعبدہ بازیوں کو وہ کرامت کہہ کر مخلوق کے سامنے پیش کرتے ہیں اس اجمال

کی تفصیل یہ ہے، ان لوگوں کے نزدیک سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ دل کا حال بتلا دیا جائے۔ اور آئندہ پیش آنیوالے واقعات معلوم ہو جائیں، اور یہ امر بہت آسان ہے، علم و انکشاف کے بہت سے طریقے ہیں، ایک طریقہ تو نجوم و رمل ہے، نجوم و رمل کے ذریعہ دل کی بات (آئندہ کے واقعات) کا اچھی طرح پتہ لگ جاتا ہے، یہ نہ سمجھو کہ نجوم میں ستاروں کا شمار کئے بغیر کسی چیز کا حکم نہیں معلوم ہو سکتا یا رمل سے بغیر زائچہ کے کسی چیز کا پتہ نہیں چل سکتا۔ ہمارا تجربہ ہے کہ ایک ماہر فن نجوم کے خیال میں یہ بات آگئی کہ یہ کونسی ساعت ہے بمجرد اس خیال کے اس کا ذہن اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ کون سا ستارہ کس وقت طلوع ہوتا ہے۔ تمام ستاروں کے مکان اور جگہ معلوم ہو جاتی ہے اسی طرح رمل کا جاننے والا اپنے دل میں متعین کر لیتا کہ میں فلاں انگلی کو لحیان قرار دیتا ہوں، اور فلاں انگلی کو فلاں، اور فوراً ذہن میں اس کی صورت باندھ لیتا ہے، اور فوراً ہی معلوم کر لیتا ہے۔ کہ ان اشکال سے کون سی صورت پیدا ہوتی ہے، اس ترکیب سے وہ زائچہ اسکے سامنے آجاتا ہے، اور سامنے والے کے دل کی بات کا پتہ چلا لیتا ہے۔

اسی قسم کے طریقوں میں سے ایک طریقہ کہانت کا ہے۔ تمام قسم کی کہانتوں کا حال یہی ہے۔ فن کہانت بہت وسیع ہے۔

کبھی حاضرات جن کے ذریعہ بھی ان باتوں کا پتہ چل جاتا ہے، دل کی بات معلوم کرنے کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں طلسم بھی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ سامنے والے کے دل کی بات معلوم ہو جاتی ہے، قوائے کواکب کو کسی صورت خاص کے اندر بند کرنے سے یہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ جوگیوں کے مختلف اعمال سے بھی یہ باتیں معلوم ہو جایا کرتی ہیں بعض جوگیانہ اعمال کی یہ مخصوص خاصیت ہے، جن سے اس قسم کے امور منکشف ہو جاتے ہیں جس کو اس کی مزید تحقیق درکار ہو وہ اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔

کسی بڑے سے بڑے کام کے لئے ہمت باندھ لینا ہیبت ناک شکل میں ظاہر ہونا، دل کا دل پر اثر ڈالنا، سامنے والے کو مسخر کر لینا، یہ تمام امور فن نیرنگ سے تعلق رکھتے ہیں، صرف چند ملاحظے اور مشق کی باتیں ہیں جن سے یہ باتیں بآسانی ہونے لگتی ہیں، اس کے لئے سعادت شقاوت، نیک و بد مقبول و مردود کا کوئی امتیاز نہیں۔ نہ اس سے ان باتوں میں کوئی فرق نمایاں ہوتا ہے، اسی طرح

وجد و شوق، قلق و اضطراب، جنبش و تڑپ کا حاضرین مجلس کے اندر پیدا کر دینا۔ حدت قوت بہیمیہ سے تعلق رکھتا ہے، جس شخص میں قوت بہیمیہ زیادہ ہو گی، قوت وجد و اضطراب اسمیں زیادہ ہو گی۔ البتہ یہ اعمال اور یہ احوال بعض نیک بندے بھی کر گذرتے ہیں لیکن نیک نیتی سے تو یہ کچھ کرامت نہیں، کمال دیکھئے۔ اور یہ ظاہر ہے اکثر سادہ لوح بیوقوفوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ کسی شیخ سے اس قسم کے اعمال حاصل کر لیتے ہیں، اور پھر ان کو عین کرامت سمجھنے لگتے ہیں۔ پس جبکہ یہ باتیں ہیں، تو چارہ کار یہی ہے کہ کتب احادیث مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، ترمذی۔ کتب فقہ حنفیہ شافعیہ وغیرہ کو پڑھے، اور ظاہر سنت پر عمل کرے، اگر خدائے قدوس دل میں شوق صادق اور طلب صحیح پیدا کر دے۔ اور اس راہ کی طلب زیادہ ہو۔ تو کتاب عوارف کے ان ابواب کی پابندی کرے جن میں آداب نماز و روزہ اور معموری اوقات کا ذکر ہے، اور آداب و اوقات کے لئے رسائل نقشبندیہ کا مطالعہ کرے، بزرگان نقشبندیہ نے ان ہر دو ابواب کو نہایت شرح و توضیح سے بیان کیا ہے، ان کے دیکھنے کے بعد کسی پیر و مرشد کی تلقین و ارشاد کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، جب ان کے ذریعہ کیفیت نور عبادۃ۔ اور نسبت یادداشت پیدا ہو جائے، تو اسپر مواظبت کرے اگر اس عرصہ میں کوئی بزرگ ایسا مل جائے جس کی صحبت کلید جذب ہو، اور لوگوں پر اس کی صحبت کا اثر ہو، تو اس کی صحبت اختیار کرے۔ تاکہ یادداشت کی مداومت کا ملکہ راسخ ہو جائے، اس کے بعد کسی گوشہ میں بیٹھ جائے، اور اس ملکہ کی محافظت میں مشغول رہے جو اس نے پیدا کیا ہے۔

اس زمانہ میں کوئی ایسا صاحب کمال نہیں مل سکتا جو بہمہ وجوہ کامل ہو، الاماشاء اللہ، اگر ایک قسم کا کمال رکھتا ہے تو دوسری قسم کے کمال سے بے بہرہ ہے، پس طالب کو چاہئے کہ ہر ایک سے وہ کمال حاصل کرے، جو اُسے حاصل ہے، دوسری قسم کے کمال سے غرض نہ رکھنی چاہئے "خذ ماصفا و دع ما کدر" پر عمل کرے۔ صاف چیز لیوے اور گرد آلود کو چھوڑ دے، صوفیہ کی نسبتیں بہت ہی بڑی غنیمت ہیں، لیکن ان کی رسمیں کسی کام کی نہیں۔

میری یہ باتیں لوگوں کو سخت ناگوار گزریں گی، لیکن میرا فرض منصبی یہ ہے کہ جو کام مجھے سپرد کیا گیا ہے۔ اسے میں صاف صاف پیش کر دوں، زید و عمرو کے کہنے سے مجھے لنگڑا نہ بننا چاہئے، طریق مستقیم کسی حال میں نہ چھوڑنا چاہئے۔

وصیت چہارم

اختلاف علماء حال وقال

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم میں اور اہل زمانہ میں اختلاف ہے، صوفی منش لوگ کہتے ہیں کہ اصل مطلوب ومقصود فنا بقا استہلاک وانسلاخ ہے۔ مراعات معاش اور عبادت بدنیہ کا حکم شرع نے محض اس لئے دیا ہے کہ ہر شخص فنا وبقا کو جو اصل مطلوب ہے۔ اس کے بغیر انجام نہیں دے سکتا اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے، مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔ (جو چیز پوری پوری نہیں مل سکتی، تو سب کی سب چھوڑی نہیں جاسکتی۔

متکلمین کہتے ہیں جو کچھ شرع میں وارد ہے، بس وہی بالذات مطلوب ہے۔ ہم کہتے ہیں انسانی صورت نوعیہ کے اعتبار سے مطلوب صرف شرع ہی ہے، شارع نے خواص وعوام کے لئے اس کی اصل بیان کردی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نوع انسانی کی تخلیق اس طور پر واقع ہوئی ہے کہ یہ قوت ملکیہ اور بہیمیہ کا جامع ہے۔ اس کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ قوت ملکیہ کو تقویت پہونچائے۔ قوت بہیمیہ کی تقویت اس کے لئے سراسر باعث شقاوت وبدبختی ہے، انسانی تخلیق کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اس کا نفس اعمال واخلاق کے ہر رنگ کو قبول اور اپنے اندر جذب کرلیتا ہے، اور مرنے کے بعد اپنے ساتھ لیجاتا ہے جس طرح کہ جسم انسانی کیفیت غذا کو قبول کرکے جزو بدن بنالیتا ہے، غذا ہی سے تو انسان مرض تخمہ، بدہضمی بخار وغیرہ میں مبتلا ہوتا ہے نفس انسانی کی تخلیق اس طور پر واقع ہوئی ہے کہ وہ حظیرۃ القدس سے اختلاط پیدا کرسکتا ہے، اگر اسے ملائکہ سے نسبت وتعلق ہے۔ سرور وبہجت حاصل ہوتی ہے اور اگر ان سے منافرت پیدا کررکھی ہے۔ تو تنگ دلی اور وحشت پیدا ہوتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نوع انسانی اس طرح واقع ہوئی ہے کہ اگر انسانوں کو انسانوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے۔ تو نفسانی امراض اکثر افراد کو آلام ومصائب اور تکالیف شاقہ میں مبتلا کردیں۔ پس خدائے قدوس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس کی چارہ جوئی فرمائی، اور

نجات کا راستہ بتلا دیا، ترجمان زبان غیب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا، انہیں ان کے لئے بھیجا تاکہ نوع انسانی کے لئے اپنی نعمت کی تکمیل کر دیوے، اور جو شان ربوبیت اس سے پہلے ان کی پیدائش کی مقتضی تھی، وہی شان ربوبیت ان کی دستگیری فرمائے، پس صورت نوعیہ انسانی نے زبان حال سے بارگاہ مبدأ فیاض میں دست طلب پھیلایا، اور شریعت کا سوال کیا، پس حکم صورت نوعیہ تمام افراد انسانی پر ساری و طاری ہے، اس لئے لازم و ضروری ہے کہ احکام شرع تمام افراد انسانی پر ساری و طاری ہوں، کسی فرد خاص کی خصوصیت کو اس میں دخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صورت نوعیہ انسانی میں بھی کسی کی خصوصیت نہیں، فنا بقا استہلاک وغیرہ امور باعتبار خصوصیت افراد کے مطلوب ہیں، کہ بعض افراد غایت درجہ تجرد میں پیدا کئے جاتے ہیں، اللہ تعالےٰ ان کے طریقے کے بموجب ان کا راستہ دکھلا دیتا ہے، لیکن یہ کوئی حکم شرعی نہیں، بلکہ ان خاص افراد کی زبان حال نے بسبب تخصیص فردیت کے اس کا تقاضا کیا، اور وہ ان کو عطا کر دیا گیا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام اس معنی پر ہرگز محمول نہیں ہو سکتا، نہ صراحتًہ نہ اشارۃً، البتہ بعض لوگوں نے شارع کے کلام سے ان مطالب کے سمجھنے کی کوشش کی ہے، جس طرح کہ کوئی شخص لیلیٰ و مجنوں کا قصہ سُنے، اور ان کی سرگذشت کو اپنی سرگذشت سمجھکر قصہ کو اپنے اوپر محمول کرلے، اس فن کے لوگ اس چیز کو اپنی اصطلاح خاص میں اعتبار عبرت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فنا بقا، استہلاک وغیرہ کے مقدمات و لوازمات میں افراط و غلو اور ہر کس و ناکس کا اس میں مشغول ہونا ملت مصطفویہ، دین حنیف میں ایک سخت ترین مہلک مرض ہے، پس خدائے قدوس اُس شخص پر اپنا فضل و کرم فرمائے، جو ایسے لوگوں کے مرض کے ازالہ کی کوشش کرتا ہے، گو باعتبار بعض طبائع و استعداد کے اس کی کچھ اصلیت ہی کیوں نہ ہو۔

ہرچند کہ میرا یہ کلام زمانہ کے بہت سے صوفیہ کو ناگوار ہوگا، لیکن جس کام پر میں مامور کیا گیا ہوں اس کو انجام دینا میرا فرض ہے، زید عمرو بکر سے کوئی مطلب و سروکار نہیں۔

وصیت پنجم

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت حسن اعتقاد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق ہمیشہ حسن ظن اور نیک اعتقاد رکھنا چاہیئے بجز ان کی تعریف وتوصیف مدح وثنا کے زبان سے کچھ نہ کہنا چاہیئے۔ اس مسئلہ میں دو جماعتوں نے غلطی کی ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہم ایک دوسرے سے بالکل صاف سینہ تھے ان میں کبھی کسی قسم کا نزاع ہی نہیں ہوا۔ یہ ایک خالص وہم ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کے باہمی مشاجرات اور جھگڑے بطریق مستفیض منقول ہیں، اور روایات مستفیضہ (۱) اس کی شہادۃ دے رہی ہیں، روایات مستفیضہ کا انکار ناممکن ہے

دوسرے گروہ نے جب حضرات صحابہؓ کے مشاجرات اور باہمی نزاع کو دیکھا تو وہ صحابہ کے حق میں لعن وطعن کرنے لگے، اور ورطہ ہلاکت میں جا گرے

اس فقیر کے دل میں القا کیا گیا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ معصوم نہ تھے اور ممکن ہے بعض صحابہ سے ایسی باتیں سرزد ہوئی ہوں، جو اگر کسی اور سے سرزد ہوتیں تو ان پر لعن وطعن کیا جاتا، مگر ہم مامور ہیں کہ صحابہ کی برائی سے اپنی زبانوں کو ملوث نہ کریں۔ ان کے حق میں لعن طعن گالی گلوچ سے ہم کو روکا گیا ہے۔ اور یہ ایک تعبدی امر ہے، اور اس میں بہترین شرعی مصلحت مضمر ہے۔ مصلحت یہ ہے کہ اگر صحابہ کے متعلق جرح کا دروازہ کھولدیا جائے گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وروایات کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، اور جب یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا تو سارا دین درہم برہم ہو کر رہ جائے گا، اور جب ہر ہر صحابی سے روایت لیجائے گی، تو اکثر حدیثیں مستفیض ثابت

(۱) حدیث مستفیض وہ ہے جس کی روایت کے طریقے محدود ہوں، مگر دو سے زیادہ ہوں یعنی حدیث کی روایت ہمیشہ دو سے زیادہ آدمی کرتے چلے آئے ہوں، لیکن اتنے نہ ہوں کہ حدیث درجۂ تواتر تک پہونچے، محدثین ایسی روایت کو مشہور کہتے ہیں، اور فقہاء اسے مستفیض کہتے ہیں، مشاجرات صحابہؓ کے متعلق بے شمار روایات مستفیضہ وارد ہیں جن سے انکار نہیں ہو سکتا، پس یہ ثابت ہے کہ صحابہؓ میں باہم مشاجرات اور جھگڑے ہوئے، لیکن ہم ان کی نسبت حسن ظن، نیک اعتقاد رکھنے کے مامور ہیں۔

ہوں گی، اور امت کے حق میں حجت ثابت ہوں گی، اور اگر بعض پر جرح بھی ہو گی، تو روایت ونقل میں کوئی خلل نہ آئے گا

بطلان مذہب امامیہ

فقیر نے آنحضرت صلعم کی روح پر فتوح سے سوال کیا کہ شیعہ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، اور صحابہ کو بُرا بھلا کہتے ہیں اس کے متعلق حضور کا کیا خیال ہے۔ آنحضرت صلعم نے ایک قسم کے کلام روحانی سے القا فرمایا کہ شیعوں کا مذہب باطل ہے۔ اور اس کا بطلان لفظ امام سے معلوم ہوتا ہے۔ فقیر کو جب اس حالت سے افاقہ ہوا، لفظ امام پر غور کیا معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں امام وہ ہے جو معصوم ہو اور جس کی اطاعت اور اتباع فرض ہے۔ اور خدا کی جانب سے یہ منصوب للخلق یعنی خدا کیجانب سے مخلوق کی نگرانی وحفاظت اور تدبیر امور قدری ونظامی کے لئے مامور ہے، اور پھر یہ کہ شیعہ امام کے حق میں وحی باطنی کے بھی قائل ہیں جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ لوگ ختم نبوت کے قائل نہیں، بلکہ منکر ہیں۔ اگرچہ زبان سے آنحضرتؐ کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

جس طرح صحابہؓ کے حق میں نیک اعتقاد رکھنا لازم ہے، اہل بیت کے حق میں بھی لازم ہے۔ ان میں سے جو صالح اور نیک ہوں ان کی تعظیم وتکریم زیادہ کرنی چاہئے۔ قد جعل اللہ لکل شیئ قدرًا۔ (اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔)

اس فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ بارہ امام رضی اللہ عنہم ایک نسبت کے قطب تھے، اور ان کی رحلت سے کچھ عرصہ بعد تصوف کا رواج ہوا ہے۔ باوجود اس قطبیت کے عقیدہ کے شریعت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سی ماخوذ ہو گی قطبیت ایک باطنی امر ہے تکلیف شرعی سے اس کو کیا تعلق ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا اشارہ اور نص جو اپنے مابعد کے لئے ہے، وہ اسی قطبیت کی رو سے ہے۔ دیگر امور امامت بھی اسی قطبیت کیطرف رجوع ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بعض خاص رفقا اور دوستوں کو اس سی مطلع کر دیا تھا، امامت کی حقیقت صرف اسی قدر ہے لیکن کچھ زمانہ گذرنے کے بعد بعض لوگوں نے اس بارے میں افراط وغلو کر لیا، اور ان کے اقوال کو دوسرے معنی پر محمول کر دیا۔ واللہ المستعان

وصیت ششم

طریق تعلیم دین

تجربہ سے ثابت ہوا کہ طریق تعلیم یہ ہونا چاہئے کہ پہلے صرف و نحو کے مختصر تین چار چار درسی رسائل طالب علم کی استعداد اور ذہن کے موافق پڑھائے جائیں اس کے بعد تاریخ یا حکمت کی کوئی کتاب پڑھائی جائے، جو عربی زبان میں ہو۔ اور تعلیم کے وقت معلم کتب لغت کے مطالعہ کا طریقہ اور اس کے مشکل مقامات کے حل سے طالب علم کو مطلع کرتا رہے۔ جب طالبعلم کو عربی زبان پر قدرت ہو جائے، تو موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی پڑھائی جائے۔ اسے کسی حال میں نہ چھوڑا جائے کہ یہ علم حدیث کی اصل و اساس ہے، اس کے پڑھنے میں بہت ہی فیض ہے، اور ہمیں اس کتاب کا سماع مسلسل ہے، اس کے بعد قرآن عظیم کی تعلیم دیجائے، اس طور پر کہ بغیر تفسیر کے صرف ترجمہ پڑھایا جائے، مگر جہاں کہیں شان نزول یا کسی قاعدہ نحویہ میں کوئی مشکل پیش آئے، وہاں رک جائے اور پوری طرح اس مقام کو حل کر دیا جائے۔ اس کے بعد تفسیر جلالین بقدر ضرورت پڑھائیں، اس طرح پڑھانے میں بڑا فیض ہے۔ اس کے بعد ایک وقت کتب حدیث مثلاً صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ، اور کتب فقہ عقائد و سلوک وغیرہ پڑھائیں اور دوسرے وقت کتب دانشمندی پڑھائیں۔ مثلاً شرح ملا قطبی وغیرہ، الا ماشاء اللہ اگر ممکن ہو تو طالب علم ایک دن مشکوٰۃ پڑھے، اور دوسرے دن شرح طیبی۔ اسی قدر جس قدر پہلے دن مشکوٰۃ پڑھی تھی، یہ نہایت نفع بخش ہے۔

وصیت ہفتم

رسومات عجم و ہند کی مذمت

ہم مسافر اور پردیسی ہیں، ہمارے آبا و اجداد ہند میں مسافرانہ آئے، عربی زبان، اور

عربی نسب پر ہم کو فخر ہے اور ہمارے لئے سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین کے تقرب کا موجب ہیں اس نعمت عظمیٰ کا شکر یہی ہے کہ ہم تا امکان ان اگلے عربوں کی عادات درسوم کو ہاتھ سے نہ جانے دیں جنمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے عجمیوں اور ہندوؤں کی عادات درسوم کو اپنے اندر ہرگز ہرگز جگہ نہ دیں۔ (یہ سلف صالح کا طریقہ ہے) حضرت فاروق رض کے زمانہ میں جب عرب جہاد کی غرض سے عجم میں پھیل گئے۔ تو حضرت فاروق رض کو اس امر کا خوف لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو مسلمان عربوں کا لباس ترک کر کے عجمیوں کا لباس پہن لیں، اور اس طرح عرب کی رسم چھوڑ بیٹھیں، آپ نے اوسی وقت ایک تاکیدی فرمان روانہ کیا، علامہ بغوی اس فرمان کو بروایت صحیح یوں بیان کرتے ہیں۔

عن ابی عثمان النھدی قال اتانا کتاب عمر بن الخطاب رض ونحن باذربیجان مع عتبۃ بن فرقد۔ اما بعد فاتزروا وارتدوا وانتعلوا والقوا الخفاف والقوا السراویلات۔ وعلیکم بلباس ابیکم اسمعیل وایاکم والتنعم وزی العجم وعلیکم بالشمس فانہا حمام العرب وتمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا واجثوا علی الرکب وانزوا نزوا وارموا الاغراض۔ وفی روایۃ فانزوا علی ظہور الخیل۔

ابوعثمان نہدی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ہم عتبہ بن فرقد کے ہمراہ آذربائیجان میں تھے کہ حضرت عمر کا یہ فرمان پہونچا۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد آپ نے لکھا کہ تم تہبند باندھا کرو، چادر اوڑھا کرو۔ جوتے پہنا کرو موزے چھوڑ دو۔ پاجامہ نہ پہنا کرو۔ اپنے دادا اسمعیل کا لباس پہنو۔ نازونعم اور ہیئت عجم سے بچتے رہو، دھوپ میں بیٹھا کرو کہ آفتاب عرب کا حمام ہے۔ اور قوم معد[1] کی رسم پر قائم رہو۔ موٹا کپڑا پہنا کرو۔ جفاکش زندگی رکھو۔ پرانا کپڑا پہنا کرو۔ گھٹنوں پر بیٹھا کرو۔ اور گھوڑوں پر اوچھل کر سواری کرو۔ اور تیر اندازی کیا کرو۔

تفریعات

تفریع اول۔ ہندوؤں کی ایک بدترین رسم یہ ہے کہ وہ بیوہ کی شادی نہیں کرتے، یہ بدترین

---

(۱) معد آنحضرت صلعم کے اجداد میں ہے۔

رسم عرب میں کبھی نہیں تھی۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل، نہ آپ کے زمانہ میں، نہ آپ کے بعد خلفائے قدوس اس شخص پر رحم فرمائے جو اس بدترین رسم کو نیست و نابود کرے، اور اگر اور دل پر بس نہ چلے تو اپنی قوم سے اس رسم بد کو ضرور اکھاڑ پھینکے، اور عرب کی عادت جاری کرے، اور اگر یہ بھی مجبوری ناممکن ہو۔ تو اس عادت کو برا ضرور سمجھے، اور دل سے اس کا دشمن رہے کہ نہی عن المنکر کا یہ ادنیٰ درجہ ہے[1]!

تفریع دوم ہم لوگوں میں یہ ایک بدترین رسم ہے کہ شادی میں بڑے بڑے مہر باندھا کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن پر ہماری دین و دنیا کی شرافت منتہی ہوتی ہے اپنے اہل بیت کا (جو تمام دنیا سے بہتر و افضل تھے) ساڑھے بارہ اوقیہ مہر باندھا جس کے پانسو درہم ہوتے ہیں۔

تفریع سوم ایک بدترین عادت ہم لوگوں میں یہ ہے کہ تقریبات خوشی میں اسراف بیجا بہت زیادہ کرتے ہیں۔ خوشی کی بہت سی رسمیں مقرر کر رکھی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خوشی کی تقریبیں مقرر فرمائی ہیں۔ وہ صرف دو ہیں، ولیمہ شادی، اور عقیقہ مسلمانوں کو صرف یہی دو تقریبیں منانی چاہئیں، باقی تمام تقریبات کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اور اگر بمجبوری ناگزیر حالت میں کرنا پڑے تو اس کا اہتمام نہ کرنا چاہئے۔ اور اسکو لازم و ضروری نہ سمجھے۔

تفریع چہارم ایک بدترین رسم یہ بھی ہے کہ لوگ غم و ماتم میں اسراف بیجا بہت کرتے ہیں۔ مثلاً سیوم، چہلم، ششماہی، سالانہ فاتحہ خوانی وغیرہ، عرب اولین کے زمانہ میں ان رسوم کا بالکل رواج نہ تھا مصلحت شرعی یہی ہے کہ ورثا میت کیساتھ صرف تین دن تعزیت کی جائے، ایک رات دن ان کو کھانا کھلایا جائے۔ اس سے زیادہ کوئی رسم نہ ہونی چاہئے۔ تین روز کے بعد قبیلہ کی کچھ عورتیں جمع ہوں اور میت کے گھر کی عورتوں کے کپڑوں کو کچھ خوشبو لگا کر ان کا سوگ ختم کر دیں۔ میت کی بی بی کو چاہئے کہ ختم عدۃ پر سوگ ختم کر دے۔

---

(۱) حدیث شریف میں آیا ہے، من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان (رواہ مسلم) جو شخص کسی غیر مشروع امر کو دیکھے تو اسکو چاہئے کہ ہاتھ سے اس کی اصلاح کرے اور جو ہاتھ سے اصلاح نہ کر سکے۔ تو زبان سے کرے، اور اگر زبان سے نہ ہو سکے تو دل سے اس کو برا سمجھے، اور یہ کمزور ایمان کا درجہ ہے۔)

بڑا خوش نصیب ہے وہ شخص جس نے عربی صرف و نحو کتب ادب میں مناسبت پیدا کرلی اور قرآن و حدیث کی تحصیل کی۔ فارسی ہندی کی وہ کتابیں دیکھنا جو شعر و شاعری بادشاہوں کی لڑائیوں اور صحابہ کے مشاجرات پر مشتمل ہیں گمراہی اور ہلاکت کا باعث ہیں۔ اگر زمانہ کی رسوم ان کتابوں کے مطالعہ کے لئے مجبور کریں تو دیکھے لیکن یہ سمجھکر دیکھے کہ یہ علم دنیا ہے، دل سے نفرت کرے اور توبہ و استغفار کرتا رہے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم حرمین محترمین میں حاضر ہوں اور ان آستانوں پر اپنا منہ رگڑیں۔ اسی میں ہماری سعادت ہے، اس سے روگردانی شقاوت و بدبختی ہے۔

وصیت ہشتم

حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہونچانا

حدیث میں وارد ہے من ادرک منکم عیسٰی ابن مریم فلیقرء منی السلام (تم میں سے جو شخص عیسٰی ابن مریم کو پائے میرا ان کو سلام پہونچائے) پس اس فقیر کی یہ زبردست آرزو ہے کہ حضرت روح اللہ کا زمانہ اس فقیر کو میسر آئے تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام انکو پہنچائے اگر مجھے وہ زمانہ نہ نصیب ہو تو میری وصیت ہے کہ میری اولاد میں سے یا میرے متبعین میں سے جو انکا زمانہ پائے نہایت آرزو اور شوق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچائے تاکہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری لشکر کے سپاہی ہم ثابت ہوں۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

شاہ ولی اللہ صاحب سے فقیر کی نسبت

ع گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ۔

اسوقت ہندوستان میں جسقدر محدثین کی اسنادیں ہیں قریب قریب تمام کا سلسلہ روایت وحدیث شاہ ولی اللہ کے سلسلہ پر منتہی ہوتا ہے اس فقیر کا سلسلہ روایت و حدیث بھی شاہ ولی اللہ پر منتہی ہوتا ہے، فقیر کی اکثر تعلیم مدرسہ عالیہ رامپور میں ہوئی معقولات فقہ اصول و دیگر فنون کی اسند حضرت مولانا ابو الافضال محمد فضل حق صاحب رامپوری پرنسپل مدرسہ عالیہ رام پور سے ملی ہے صحاح ستہ وشرح نخبۃ وغیرہ کی اجازت وسند حضرت مولانا ابو المنصور محمد منور العلی صاحب محدث رامپوری سے ملی ہے جن کا سلسلہ شاہ ولی اللہ تک منتہی ہوتا ہے۔ سلسلہ اس طور پر ہے، فقیر کو حضرت مولانا ابو المنصور محمد منور العلی صاحب محدث رامپوری سے اجازت حاصل ہے۔ اور مولانا ممدوح کو حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث رام پوری سے۔ اور انہیں اپنے والد سید حسن شاہ صاحب محدث رام پوری سے اور انہیں مولانا سید عالم علی صاحب نگینوی سے۔ اور انہیں مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی سے۔ اور انہیں شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی سے۔ اور انہیں اپنے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی سے۔

فقیر کی اجازت حزب البحر کا سلسلہ اسناد بھی شاہ ولی اللہ صاحب تک منتہی ہوتا ہے۔ فقیر کو مولانا ابو المنصور محمد منور العلی صاحب رام پوری سے اجازت ہے اور انہیں اپنے شیخ مولانا سید محمد شاہ صاحب رام پوری سے اور انہیں مولانا اخوند محمد ولایتی سے اور انہیں مولانا سید احمد بریلوی سے اور انہیں شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی سے اور انہیں اپنے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے۔

گو آج ہندوستان میں شاہ ولی اللہ صاحب کے صلبی نسبی خاندان کا پتہ نہیں ملتا لیکن آپ کے علم وفضل کا خاندان قیامت تک باقی رہیگا۔ اور کتاب وسنت کا جو چراغ شاہ صاحب نے روشن کیا ہے ہمیشہ روشن رہیگا۔

ع ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

(فقیر ابو العلاء محمد اسمعیل گودھروی کان اللہ لہٗ)

اعلان

تمام علمی و دینی کتابوں کے شائقین کو مژدہ ہو کہ ہم نے کتب ذیل کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا ہے، جو صاحب خریدار بننا چاہیں اپنے ٹھیک پتہ سے اطلاع دیں تاکہ ان کا نام درج رجسٹر کیا جائے، اور جس وقت کتاب شائع ہو ان کی خدمت میں روانہ کیجائے،

کتاب التوحید شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ کی وہ مشہور کتاب جس میں صحیح توحید کا بیان، آیات کتاب اللہ اور احادیث نبویہ سے اس طرح کیا گیا ہے کہ دوسری جگہ مشکل سے ملے گا، اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ مولف نے حتی الامکان اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی، جو کچھ آیت یا حدیث کا مفہوم ہے، نمبروار گنا دیا ہے، تاکہ پڑھنے والا اچھی طرح سے سمجھ جائے، اور اسکو غور و تدبر کا کافی موقع ملے،

عرصہ ہوا، اس کتاب کا ترجمہ چھپا تھا، مگر وہ رائج و عام نہ ہو سکا، اب ہم نے دو کالم کر کے عربی اردو بالمقابل صاف و سلیس ترجمہ کرنے کا انتظام کیا ہے، اور جہاں کوئی شبہہ معلوم ہوا، وضاحت کے لئے حاشیہ کا اضافہ کر دیا ہے، کتاب کے شروع میں نجدی تحریک کی مکمل تاریخ، شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی سوانح عمری، اور ان کے علمی و اصلاحی کارنامے بہ تفصیل لکھے گئے ہیں، جس سے اس تحریک کی حقیقت ناظرین پر ظاہر ہوگی، اور عوام میں بعض وجوہ کی بنا پر جو غلط فہمی پھیلائی گئی ہے اس کا بھی ازالہ ہوگا،

یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اسے بغور پڑھے، اپنے گھر میں اس کا چرچا کرے، ذی حیثیت اصحاب غربا و طلبا میں اسے تقسیم کر کے ثواب دارین حاصل کریں، کیونکہ آج مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے کہ صحیح توحید سمجھ کر اس کے عامل بنیں، اور ایسے بیہودہ خیالات و لغو رسومات سے بچیں، جو دین و دنیا کے نقصان و خرابی کے اصلی اسباب ہیں، کتاب کا ایک حصہ طبع ہو چکا ہے، اور بقیہ کے جلد شائع ہونے کی امید ہے۔ **قیمت**

صراط مستقیم شرح بلوغ المرام آج تک اردو زبان میں فن حدیث کی ایسی خدمت نہیں کی گئی کہ اردو داں حضرات کو حدیث شریف کے مطالب اور اس کے متعلق ضروری معلومات حل لغات، احوال رجال، تحقیق مسائل وغیرہ سب یکجا مل سکیں، بفضلہ تعالیٰ اس کتاب نے یہ کمی پوری کر دی، اور اس میں یہ تمام مراحل طے کئے گئے ہیں،

ہم نے عرصہ کے غور و تدبر اور بعض احباب کے اصرار پر اس کتاب کو مرتب کرنا شروع کر دیا ہے۔ چونکہ بلوغ المرام

فن حدیث میں مختصر مگر نہایت جامع اور محققانہ کتاب ہے جس میں ہر حدیث کے وہ الفاظ چن لئے گئے ہیں جو مسائل شرعیہ میں کام آتے ہیں، اور ہر روایت کا درجہ بھی بتایا گیا ہے کہ صحیح ہے یا ضعیف، لہٰذا اسی کا انتخاب کیا گیا، اور اس کی شرح مناسب سمجھی گئی،

شرح کی یہ صورت ہے کہ پہلے حدیث مع ترجمہ نمبروار لکھی گئی، پھر حلِ لغات مشکلہ کے بعد ہر "صحابی" کے مختصر ضروری حالات درج کئے گئے، اگر حدیث کا کوئی قصہ ہے یا یہ کسی بڑی حدیث کا خلاصہ ہے جس کے سمجھنے میں باقی حصہ کی ضرورت ہو تو وہ تفصیل و قصہ بھی لکھدیا گیا ہے، نیز جس جگہ مولف نے حدیث پر کوئی کلام کیا، وہاں اس کے متعلق مزید تشریح حسب ضرورت کردی ہے، اختلافی مسائل میں وجہ اختلاف، اور ہر فریق کے اصلی دلائل خود ان کی کتابوں سے لکھکر جو دلیل از روئے حجت و دلیل قوی ہے اسے واضح طور پر مدلل و مکمل بیان کردیا گیا ہے، ایک اور خصوصیت اس شرح کی یہ ہے کہ ہر مسئلہ کی بابت جہانتک کتاب اللہ میں نص یا اشارہ ملا حتی الامکان اسکا حوالہ بھی دیا گیا ہے، تقریباً چار حصوں میں یہ شرح شائع ہوگی،

الدعوۃ والارشاد الی سبیل الرشاد عرصہ ہوا یہ کتاب اصلاح و ارشاد کی بابت لکھی گئی تھی جس میں مسلمانوں کے عام امراض کا مفصل بیان، اور اس کا اصلی و زود اثر علاج بھی درج ہے، اب یہ کتاب اشاعت کے لئے تیار ہے،

ازہار العرب عربی اشعار کا یہ مختصر مجموعہ جامعہ کے ارکین کی درخواست پر لکھا گیا تھا، اخلاق و آداب اور اسلامی جذبات کا عمدہ ذخیرہ ہے۔ قیمت ۸ر

قواعد عربی عربی زبان کے قواعد اور ترجمہ کی ابتدائی مشق کے لئے اس سے بہتر اردو زبان میں ابتک کوئی کتاب نہیں شائع ہوئی، جامعہ ملیہ نے اسکا پہلا حصہ بابت فن صرف ۳۰۲ صفحات میں شائع کیا ہے۔ قیمت عمر

اعلان

ہم نے عربی فارسی، اور اردو زبان کی دینی و علمی کتابوں کے خرید و فروخت کا سلسلہ بھی جاری کیا ہے، حتی الامکان مال عمدہ بکفایت بھیجا جاتا ہے، نیز ہر قسم کی عربی، فارسی اردو کی پرانی مطبوعہ یا قلمی کتابیں بھی مناسب قیمت پر خریدتے ہیں جو صاحب کوئی کتاب خریدنا چاہیں، یا کوئی کتاب یا کتب خانہ فروخت کرنا چاہیں وہ ہم سے ذیل کے پتہ پر گفتگو کریں۔

محمد سورتی

قرولباغ دہلی